MONTHLY **OM** DELHI.

VIR VIRAGI Number JUNE 1962

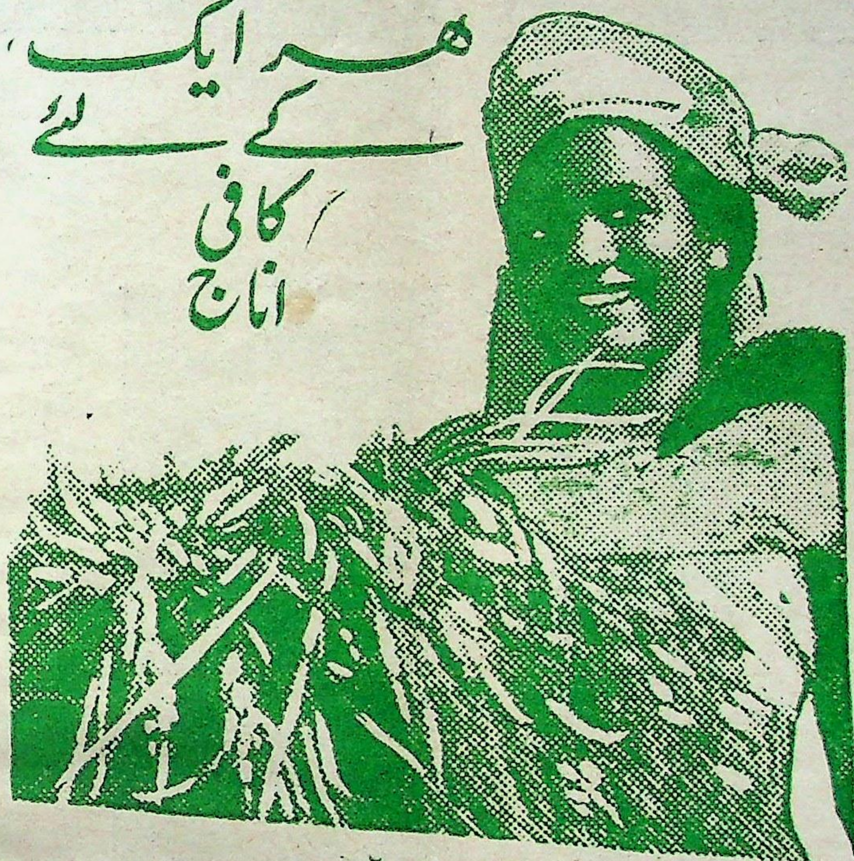


Banda Beragi

Price 56 nP. Editor :-GORAKH NATH NANDA

پلان سے کیا ہوگا

ہر ایک کے لئے کافی اناج



تیسرے پلان کا نشانہ ہے —
اناج کی پیداوار کو
۷٫۶ کروڑ ٹن سے ۱۰ کروڑ ٹن تک بڑھانا
اس طرح فی کس یومیہ اوسط کھپت
۱۶ اونس سے ۱۷٫۵ اونس ہو جائے گی۔

پلان کو کامیاب بنائیے۔ اس کا نتیجہ ہوگا

ہر شخص کے لئے اچھی زندگی

تیسرا پنج سالہ پلان

ہندوستان بھر میں روحانیت کا واحد سچا علمبردار

چندہ سالانہ
سات روپے
ممالک غیر سے
نو روپے

ایڈیٹر:
گورکھ ناتھ
نندہ



بیراگی نمبر

قیمت فی کاپی
56
نئے پیسے

فہرست مضامین بابت ماہ جون ۱۹۶۲ء

نمبر شمار	نام مضمون	صاحب مضمون	نمبر صفحہ
۱	گورو نانک	شریمتی بانو طاہرہ سعید بی۔ اے	۲
۲	بردھمن کا پشچاتاپ	ایڈیٹر	۳
	. . . .		۱
	. . . .		
۳	پران اور پرگیا	سنت ہری سنگھ جی	۸
۴	ترانۂ توحید	سوامی ہری پورنانند جی مہاراج	۱۳
۵	فلسفہ وحدت	شری بھاگ مل جی سائنی	۱۴
۶	گیتا سار	لالہ کانشی رام جی چاولہ	۱۷
۷	سدا چار اور دُراچار کا پھل		۱۸
۸	ہندو ناری کی شان	کوی پنا لال جی کُشل	۲۲
۹	پشچمی سبھیتا کا پربھاؤ	شری جگن ناتھ جی کھنہ بی اے بی ٹی	۲۴
۱۰	سندر بیراگی (نظم)	کوی لوک ناتھ جی دِل	۲۷
۱۱	مہاتما بیراگی	پنڈت لشیشر ناتھ جی	۲۸
۱۱	گیتا اپدیش	لالہ نند کشور اکھگر	۳۵
۱۳	ہندو بہادروں کی یاد	شری نوبت رائے جی شوخ	۳۶
۱۴	یورپ میں سیاست اور مذہب کی ٹکر . . . . . مزدور شکتی اور ڈسپلن . .	شری دلیا رام شاہ فیروز پوری، شری برہمانند بی۔ اے	۳۷

باہتمام شری گورکھ ناتھ نندہ ایڈیٹر پرنٹر پبلشر کھنہ لیتھو پریس چاوڑی بازار دہلی سے چھپوا کر دفتر رسالہ اوم اندرون اجمیری گیٹ دہلی سے شائع کیا

گورو نانک

(از قلم شری متی بانو طاہرہ سعید بی اے)

کئے اس سرزمیں نے کیسے کیسے نامور پیدا
گرو نانک سا بھارت میں ہوا نادر بشر پیدا

صداقت، وحدت و الفت کے افسانے تھے آنکھوں میں
دلوں میں جنبشیں کرتی تھی نانک کی نظر پیدا

گورو بنتے نہیں ہوتے ہیں پیدا حق کی جانب سے
صدف میں خود بخود ہوتا ہے قدرت سے گہر پیدا

دلوں کا موہ لینا ہی ترا ہے معجزہ نانک
بڑی دقت سے ہوتا ہے کسی کے دل میں گھر پیدا

تجھے ہندو نے اپنایا ترا مسلم بھی گرویدہ
نہ جانے کیسا جادو کر گئی تیری نظر پیدا

ہزاروں روز ہی پیدا ہوا کرتے ہیں دنیا میں
نہیں ہوتا مگر صدیوں میں اک اہل نظر پیدا

حقیقت ہے یہی اے طاہرہ کچھ شک نہیں اسمیں
"بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا"

بڑھوں کا سچا باپ

(از ایڈیٹر)

بڑھاپا جو آیا جوانی گئی۔ حقیقت میں سب زندگانی گئی
خزاں کا ہوا جب چمن میں ظہور۔ گلوں کی قمر گلستانی گئی

بھگوان کی مایا کس قدر بلوان ہے۔ کہ یہ جیو جنم مرن کے چکر میں پڑا ہوا انیک پرکار کے دُکھوں کو بھوگ کر بھی اس سے چھُوٹنے کا اپائے نہیں کرتا۔ جب یہ جیو ماتا کے گربھ میں ہوتا ہے۔ تو یہ کمبھی نرک بھوگتا ہے۔ پورانک گرنتھوں میں اس کمبھی نرک کا بہت وستار سے ذکر آیا ہے (خواہشمند اصحاب گرڑ پوران (اُردو) رسالہ ادم کے دفتر سے منگوا کر ملاحظہ کریں) —— پہلے چھ ماہ تو یہ بیہوشی کی سی حالت میں رہتا ہے۔ لیکن اس کے بعد جب اس کا سر اور ہردہ (من اور بدھی) تیار ہو جاتے ہیں۔ تو یہ اپنے تمام گزشتہ جنموں کے پاپ کرموں کا انوبھو کرتا ہے۔ پیٹ کے کیڑے اس کو کاٹ کاٹ کر کھاتے ہیں۔ نہ یہ اُس وقت ہل جُل ہی سکتا ہے۔ اور نہ ہی اپنے اس دُکھ کو پرگٹ ہی کر سکتا ہے۔ ایسی اوستھا میں دُکھ بھوگنے کے سوائے اور کوئی چارہ نہیں ہوتا اُس وقت یہ بھگوان سے پرارتھنا کرتا ہے۔ کہ ہے پربھو! مجھے اس مل مُوتر رُوپ کمبھی نرک سے جلد نکال لیجئے۔ میں نے پچھلے جنموں میں جو پاپ کئے ہیں۔ اُن کو چھما کیجئے کیونکہ آپ دیالو ہیں۔ اب مجھے نیا جنم ملے گا۔ تو ایک پل بھی تمہارے چنتن کو نہیں چھوڑونگا اور نہ ہی شاستر۔ ورُدھ کوئی پاپ کرم ہی کروں گا۔ کسی کے ساتھ انیائے نہیں کروں گا۔ کسی کا چت نہیں دُکھاؤں گا۔ جیو جنتوؤں پر دیا کروں گا۔ اہنسا دھرم پر درڑھ رہوں گا۔ مانس شراب کے نزدیک تک نہیں جاؤں گا۔ پرائی استری کو ماتا سمان اور پرائے دھن کو مٹی کے سمان دیکھونگا۔ سنسارک پدارتھوں سے موہ نہیں کروں گا۔ ویراگ کو دھارن کر کے آتم گیان کو پراپت کرنے کا یتن کروں گا وغیرہ وغیرہ

جب یہ جیو بھگوان سے وِنے پورک اتنی پرارتھنا کر لیتا ہے۔ تو بھگوان اپنی اپار کرپا سے اس کمبھی نرک میں اس کی سہائتا کرتے ہیں۔ باریک جھلی سے اس کا تمام شریر ڈھک کر پیٹ کے کیڑوں سے اس کی رکھشا کرتے ہیں۔ نابھی (ناف) کی نالی کے راستے خوراک پہنچا کر ان کی پرورش کرتے ہیں۔ اور آٹھ یا نو ماہ کا میعاد ختم ہوتے ہی اس کو اس نرک سے باہر نکال لیتے ہیں۔ اتنے دُکھ بھوگنے کے بعد جب یہ جیو پھر اس سنسار کی ہوا کھاتا۔ تو اپنے سب قول و قرار بھُول کر موہ ممتا میں پھنس جاتا ہے۔ بچپن کھیل کود میں۔ جوانی وشئے وکاروں میں اور بڑھاپا چنتا میں گزار کر پھر موت کے منہ میں جا گرتا ہے۔ اس طرح کرموں کا پھل بھوگنے کے لئے کئی بار مرتا اور کئی بار جنمتا ہے۔ بھگوان کی ایسی اچرج مایا ہے۔ کہ جیو اس قدر دُکھ بھوگنے پر بھی اس جنم مرن کے بندھن سے چھُوٹنے کا کوئی اپائے نہیں کرتا۔ بھگوان شنکر آچاریہ جی فرماتے ہیں ؎

अग्रे वह्निः पृष्ठे भानू, रात्रौ चिबुक समर्पित जानु
करतल भिक्षा तरुतल वासः तदपि न मुञ्चत्याशा पाशः
भज गोविन्दम् भज गोविन्दम् भज गोविन्दम् मूढ़ मते ॥

ارتھ: آگے اگنی جلتی ہے۔ پیچھے سورج تپتا ہے۔ رات کو ٹھوڑی گھٹنوں میں دبا کر اور ٹانگوں کو پیٹ سے لگا کر سونا پڑتا بھکشا مانگنے کے لئے ہاتھ کے سوائے دوسرا پاتر بھی نہیں۔ تھا برکھش کے چھایا تلے سوتا ہے۔ تو بھی جیو آشا کے پاش کو چھوڑتا نہیں مایا کی کیسی پربل شکتی ہے۔

جیسے مینڈک سانپ کے منہ میں پڑا ہوا مچھر کھانے کی آشا کرتا ہے۔ ایسے ہی موت کے منہ میں پڑا ہوا یہ منش وشے بھوگوں کو گرہن کرنے میں دن رات لگا رہتا ہے جن استری پتر آدک کے لئے یہ کئی طرح کے پاپ کرم کر کے دھن اپارجن کرتا ہے اور جوانی کا تمام سمے بغیر ایشور بھجن اور ست سنگ کے نشٹ کر دیتا ہے۔ وہی کٹمبی بڑھاپے کے آجانے پر اس کا نرادر کرتے ہیں۔ اس کا تمام دھن اور کاروبار اس سے چھین لیتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ تم اب بوڑھے ہو گئے ہو۔ تمہیں اس کاروبار اور دھن پر کوئی ادھیکار نہیں۔ تمہاری بدھی نشٹ ہو چکی ہے۔ تم ستر بہتر (۷۰ ــ ۷۲) کے ہو۔ تمہاری وجہ سے ہی اب کاروبار میں گھاٹا پڑ رہا ہے۔ جب اس پرکار اس کے لڑکے اور استری وغیرہ اس کا انادر کرتے ہیں۔ اور اس کا دھن چھین لیا جاتا ہے۔ پھر اس کو اس دنیا کی حقیقت کا پتہ چلتا ہے۔ کہ یہ تو مطلب پرست اور احسان فراموش ہے۔ اب اس کو سنسار سے ویراگ ہوتا ہے۔ اور یہ ہردوار۔ رشی کیش اور برندابن وغیرہ سادھوک استھانوں (تیرتھوں) پر نواس کرنے اور ایشور بھجن کی طرف رجوع کرتا ہے لیکن بڑھاپے کی وجہ سے شریر شتھل (کمزور اور لاغر) ہو جاتا ہے۔ کئی پرکار کے روگ اتپن ہو جاتے ہیں۔ درد ریح۔ جوڑوں کے درد۔ ٹانگوں میں کمزوری کے سبب لڑکھڑانا۔ ہاتھوں اور سر میں کمپن۔ بینائی کا کمزور ہو جانا۔ بلغم کے سبب کھانسی کا زور پکڑنا۔ دانتوں کے نہ رہنے سے ہاضمہ کا بگڑ جانا اور قبض کی شکایت کا رہنا۔ گویا کئی پرکار کے روگ۔ اس کا ناک میں دم کر دیتے ہیں۔ ایسی اوستھا میں یہ پُرش نہ ہی یوگ آسن اور پرانایام کر کے اپنے من کو ایکاگر کر سکتا ہے۔ اور نہ ہی کسی مہاتما کی سیوا کر کے گیان کو ہی پراپت کر سکتا ہے۔ بمصداق ؎

اے مرغِ دل اُکھڑ گئے جب بال و پر تیرے
کہو کیا کرے گا دام سے چھُٹ کر پھنسا ہوا

پھر پچھتاتا ہے۔ کہ اوہو! جب شریر تندرست تھا۔ ہاتھ میں دھن دولت تھی۔ سب پر رعب تھا۔ ایک طرح کی حکومت تھی۔ سب سلام کرتے تھے۔ لیکن افسوس کہ کوئی دان نہ کیا۔ تیرتھ یاترا نہ کی۔ بھگوان کا بھجن نہ کیا۔

لیکن ؏ اب پچھتائے کیا ہوت جب چڑیاں چگ گئیں کھیت

جب جوانی اور تندرستی تھی تو مہاتما لوگ اس کو چیتاونی دیتے تھے۔ کہ اے مورکھ! اس انمول سمے کو وشے وکاروں میں مت گنوا۔ یہ وقت پھر ہاتھ نہیں آئے گا۔ یہی سمے ایشور بھجن کے لئے ہے۔ بڑھاپے میں کچھ نہیں ہو سکے گا

جوانی میں عدم کے واسطے سامان کر غافل
مسافر شب کو اُٹھتے ہیں جو جانا دور ہوتا ہے

اے غافل منش سفر بہت لمبا ہے۔ غفلت کی نیند مت سو لیکن جوانی مستانی میں بھلا کون ان اُپدیشوں کو سنتا ہے آخر بڑھاپے کے آنے پر روگوں میں مبتلا ہو کر استری پتر اور نزدیکی رشتہ داروں کی بدسلوکی سے بیزار ہو کر بھگوان سے یوں پرارتھنا کرتا ہے۔ جیسا کہ ایک مہاتما پنڈت گلاب سنگھ جی نے اپنی ایک پستک "بھاو رس امرت" میں ورنن کیا ہے۔

دوہرا:۔

رے من چنچل! تو سدا بھجیو نہ ہری کو نام
رہو وشے لپٹ ہی جائیں جم کے دھام

سویا

دھن ایش دیو جگ بھیتر ہی بندھ گئے نہ کچھو پھل پائے
شبھ سنتن کی نہیں سیوا کری اور بپران تے نہیں یگیہ کرائے
نہیں کوپ کھنائے جل ہیت کہیں۔ دھر بھیتر نہ جل تال بنائے
بل ہینن کو سکھ دان دیئے۔ نہیں دینن کے دکھ دور مٹائے

ارتھ:۔ اے چنچل من! تو نے بھگوان کا کبھی سمرن نہیں کیا۔ اور وشے وکاروں میں ہی پھنسا رہا۔ بھگوان نے جو تمہیں دھن کی بخشش کی تھی۔ اس سے تم نے اپنی بلین بدھی کے کارن کچھ بھی لابھ نہ اٹھایا۔ نہ ہی تو تم نے مہا پرشوں کی سیوا ہی کی اور نہ ہی ودوان برہمنوں سے یگیہ ہی کرائے۔ پرانی کیلئے زمین کھود کر نہ ہی کوئیں اور نہ ہی تالاب بنوائے۔ نہ ہی غریب اور محتاجوں کو اس دھن سے کوئی سکھ ہی دیا۔ یعنی بھگوان کے دیئے ہوئے دھن کو شبھ کاریوں میں نہیں لگایا۔

سویا:۔

جگ ناہیں کری گور سیوا بھی اور نہ ہری کے مکھ نام اچارے
بل ہینن کو کبھی سکھ دیو ناہیں آپے بھوئیں بد کھارے
اور کوپ کھنائے واہی گلے جگ لوگن کے گھر بار دک جارے
جگ میں شبھ کا رج بسار ت ہوں بدھی کون سدھا سکھ پاؤں مرار

ارتھ:۔ میں نے سنسار میں آکر گورو کی بھی پرکار سیوا بھی نہیں کی اور نہ ہی مکھ سے بھگوان کا نام ہی اچارن کیا۔ نِربل۔ اندھے۔ لولے۔ لنگڑے اور محتاج۔ پرشوں کو کڑوے الفاظ ہی کہے۔ جن سے ان کا کومل ہردہ جل بھن گیا۔ اور لوگوں کے گھروں کو آگ لگائی۔ اس سنسار میں آکر میں نے تمام شبھ کرموں کا تیاگ کیا اور کوئی نیک کام نہیں کیا۔

اب ہے بھگوان (کرشن مراری) میں کس پرکار سکھ کو پا سکتا ہوں

سویا:۔

نہیں پوجن دیون کا کرپو۔ اور بپرن کے نہیں پاؤں پکھارے
نِج پاپن پالن ہیت سدا۔ بھومنڈل آدر و پران نکارے
اُنتے سب پُن بسار دیو۔ اور تے پد پنکج ما اُر دھارے
جگ میں شبھ کا رج بسارت ہوں۔ بدھی کون سدھا سکھ پاؤں مرار

ارتھ:۔ دیو مندروں میں جا کر دیوتاؤں کی پوجا نہیں کی۔ اور نہ ہی دیوتاؤں کی پرسنتا کیلئے یگیہ آدک ہی کیے اور نہ ہی برہمنوں کے پاؤں ہی دھوئے۔ یعنی شرادھ آدی پتری یگیہ نہیں کیے۔ اپنے سوارتھ کیلئے سدا پاپ ہی کیے اور دوسروں کے پران نکالے۔ اپنے ہردیہ سے تمام پنیہ کرموں کو بسار دیا۔ اور بھگوان کے چرنوں کا ہردے میں دھیان نہ کیا۔ سنسار میں آکر تمام شبھ کرموں کا تیاگ کر دیا۔ اب ہے بھگوان! میں کس پرکار سکھ اور شانتی کو پراپت کروں

سویا:- ڈِگ بین دھنی نر کے ہر جی۔ بِج پران رِوک سُو بیٹھ اُجاڑے
نہیں بیٹھ پتوبن میں ہر جی۔ پھل کھاے کَسَدا تو نام سنبھارے
دھن پاون کو نس نیند تجی۔ ہری پاون کو نہیں نین اُگھاڑے
جگ میں شبھ کاج بسارت ہوں۔ بدھی کون سُدھا سُکھ پاؤں مُرار

ارتھ:- اِنکاری دھنوان پُرشوں کی سیوا میں دن بتا دیے پرانوں کو روک کر (یعنی سہمے ہوئے اور بھوک پیاس کی پرواہ نہ کرتے ہوئے) تو بیٹھا رہا۔ لیکن پتوبن میں جاکر اور پتر پھل کھاکر ہے بھگوان! تمہارا بھجن نہ کیا۔ دھن کے اُپارجن کرنے میں تمام رات جاگتا رہا لیکن ہے بھگوان! تمہارا نام جپنے کے لئے پربھات کے سمے کبھی آنکھیں نہ کھولیں۔ اس سنسار میں منش جنم لے کر تمام شبھ کرموں کا میں نے تیاگ کیا۔ اب ہے مُراری! میں کس اُپائے سے سُکھ اور شانتی کو حاصل کروں؟

سویا:- تن کو بَل نے اب پیٹھ دئی۔ آ رہا پرے زرگ بال سنگاتی
تج کے الیہ لوک دِکھے ہم کو۔ چل آپ گئے سُر لوک سجاتی
جگ میت سکھا مُکھ پھیر گئے۔ اب سیوک ہاں نہ پُچھیں ہم باتی
ہم آہی پلا تُم ہے ترشنے۔ اِک تُوں ہم سنگ رہی دِن راتی

ارتھ:- جسم میں طاقت کم ہوگئی۔ آنکھوں کی بینائی کمزور ہوگئی۔ جو بچپن کے ساتھی تھے وہ ہمیں چھوڑ کر سورگ لوک کو چلے گئے۔ اِس جگت میں جو ہمارے خاص متر تھے انہوں نے بھی ہم سے منہ موڑ لیا اور سیوک (ملازم) ہماری بات تک نہیں پوچھتے۔ لیکن ہے ترشنا (تمنا) اب ایک تو ہی رہ گئی ہے۔ جو دن رات میرے ساتھ موجود ہے۔

سویا:- درگ جوت گھٹی کٹ ہے لٹکی۔ پلٹی سب دیہہ۔ نہ رام سنبھارے
کر میں لٹکی۔ نہ اُٹھی کرتے۔ دھر ماہی لٹی۔ سُو ہیاں اب ہارے
جب بالک تھے تب کھیل متے۔ ترُناپن میں سب کاج بگاڑے
اب اور نہ اوٹ نہارت ہوں۔ سرناگت ہوں جل بھو در تارے

ارتھ:- آنکھوں کی بینائی کم ہوگئی۔ کمر لٹک گئی۔ سب دیہہ پلٹ گئی۔ لیکن رام کا بھجن نہیں کیا۔ ہاتھ سے چھڑی گر گئی لیکن اتنی بھی طاقت نہیں رہی کہ اس کو دوبارہ زمین سے اُٹھا کر پکڑ سکوں جب بالک اوستھا تھی تو کھیل کود میں وقت گذار دیا اور جب جوانی آئی تو تمام کام بگاڑ دیے۔ اب ہے بھگوان! مجھے اور کسی کا آسرہ دکھائی نہیں دیتا۔ ہے جل میں پتھروں کو تارنے والے بھگوان رام! اب میں آپ کی شرن میں آیا ہوں۔ میری رکھشا کیجئے۔

سویا:- جب جوبن تھا۔ جن پریت کریں۔ اب جا بڑھاپا ہی بھئے نسکار
نہیں ہے ادھیکار کچھو ترُدو۔ پرے لکوٹی بھو مو ہے دوارے
اِم بھاکھت ہیں گرو نابدھی رام۔ پرُوں تو کہیں یہ پاد پسارے
اب اور نہ اوٹ نہارت ہوں۔ سرناگت ہوں جل بھو دھر تار

ارتھ:- جب جوانی تھی تو سب لوگ پریم کرتے تھے لیکن بڑھاپا آنے پر سب کڑوے بچن بولنے لگے۔ اب کہتے ہیں کہ تمہارا اب کسی معاملہ میں رائے دینے کا کوئی ادھیکار نہیں۔ ہاتھ میں لکڑی (سوٹی) پکڑو اور دروازہ پر بیٹھ کر کنٹرول

کو اندر داخل نہ ہونے دو۔ ہے دیالو بھگوان رام! اِس طرح میرا نرادر کرتے ہیں۔ اور اگر مَیں آرام کرنے کیلئے لیٹتا ہوں تو کہتے ہیں کہ پاؤں لپیار کر پڑا رہتا ہے۔ کوئی کام کاج نہیں کرتا۔ ہے جل پر پتھروں کو تارنے والے سرو شکتی مان بھگوان رام! اب سب کا آسرہ چھوڑ کر تمہاری شرن میں آیا ہوں۔ میری رکھشا کیجیے۔

سویا:۔
اب جا کھڑ ہیں تن کھین بھئے۔ اب دُور بھئے مُکھ دانت ہمارے
جن موہہ کو بھوجن سوئی دھرے۔ گھر بھیتر جو کچھ پاؤں جارے
مُکھ تے کچھو بھاکت ہوں جب ہی۔ تو کہیں نہیں تے ہت پوت سوارے
اب اور نہ اوٹ نہارت ہوں۔ سرناگت ہوں جل بھو دھر تارے

ارتھ:۔ اب بڑھاپا آگیا ہے۔ شریر کمزور ہوگیا ہے۔ مُنہ سے دانت نکل چکے ہیں۔ میرے گھر والے میرے آگے وہی بھوجن رکھتے ہیں جو آگ سے جلا ہوا اور سخت ہو۔ اور مجھ سے کھایا بھی نہ جا سکے۔ اگر مُنہ سے مَیں کچھ کہتا ہوں کہ میرے دانت نہیں۔ مجھے نرم بھوجن دیا کرو۔ تو کہتے ہیں۔ کہ تمہارے لیئے کیا ہم لڈُو پیڑے تلا کریں؟ ان باتوں سے میرا دل جل جاتا ہے۔ لیکن کچھ کرتے دھرتے نہیں بنتی۔ اس لیئے ہے بھگوان! مَیں آپ کی شرن آیا ہوں۔ میری رکھشا کیجیے۔

سویا:۔
نہیں دان دیئے دو نج منڈل کو۔ اُردو یہ دُھنی تن ناہی پکھارے
ناہی مات سُو تات کی سیوکری۔ نہیں دیون کے کل پُوج سوارے
لرکاپن ہیں تروناپن ہیں۔ جھڑاپن ہیں۔ نہیں رام چتارے
اب اور نہ اوٹ نہارت ہوں۔ سرناگت ہوں جل بھو دھر تارے

ارتھ:۔ نہ ہی سرلیشٹ براہمنوں کو دان ہی دیا۔ نہ ہی شری گنگا جی اور دیگر تیرتھوں پر جا کر اشنان ہی کیا۔ ماتا پتا اور سمبندھیوں کی نہ ہی سیوا کی اور نہ ہی دیوتاؤں کا پُوجن ہی کیا۔ بچپن۔ جوانی۔ اور بڑھاپا یونہی گذار دیا۔ اور بھگوان رام کا چنتن نہیں کیا۔ اب ہے بھگوان! آپ کی شرن میں آیا ہوں۔ میری رکھشا کیجیے۔ اگر آپ میں یہ شکتی ہے کہ پتھروں کو جل پر ترا سکتے ہیں۔ تو مجھ پاپی کو بھی اس بھوساگر سے پار کرنے کی آپ میں سمرتھا ہے۔ اسی نسچے کو دھارن کر کے مَیں آپ کی شرن آیا ہوں۔

سویا:۔
نہیں سیوکری شو کی ہم ہوں۔ اَر ناہی گنپتی آس ہمارے
نہیں پُن کرے بھو منڈل میں اور پاپ کرے جگ ماہیں کرارے
نہیں ہے تر بھویہ سنکٹ مٹی۔ ہری نام تھی جو اجامل تارے
اب آور نہ اوٹ نہارت ہوں۔ سرناگتی ہوں جل بھو دھر تارے

ارتھ:۔ بھگوان شو کے مندر میں جا کر نہ ہی تو اُن کی پُوجا کی اور نہ ہی شری گنیش جی کا ہی ارادھن کیا۔ اس لیئے مجھے اُن سے اِمداد کی کیا آشا ہو سکتی ہے۔ مَیں نے منش شریر دھارن کر کے اس سنسار میں کوئی پُنیہ کرم نہیں کیا۔ برعکس اس کے مہاپاپ ہی کیئے ہیں۔ لیکن ہے پربھو! جب میں خیال کرتا ہوں کہ آپ نے اجامل جیسے پاپیوں کو بھی بھوساگر سے پار کر دیا تو میری آشا بنی رہتی ہے۔ کہ آپ مجھے بھی اوشیہ ہی تارینگے۔ اس لیئے ہے بھگوان! میں سب سے نراش ہو کر اور سب کا آسرہ چھوڑ کر اب آپ کی شرن آیا ہوں۔ آپ تو پتھروں کو تارنے والے ہیں۔ مجھ پاپی کا بھی اُدھار کیجیے۔ (ادم سنتم)

"پران" اور "پرگیا"

(از قلم سنت ہری سنگھ جی ۱۱/۴ ایسٹ پٹیل نگر نئی دہلی)

شُدھ سچدانند برہم ہوں اجر امر اج ابناشی
جا س گیان سے موکھش ہو جاوے کٹ جاوے یم کی پھانسی

(۱) انادی برہم ادویت دویت کا جا میں نام نشان نہیں — اکھنڈ سدا اُسکا جا نکا کوئی آدمدھ اوسان نہیں
نرگُن نروکلپ نرا اُپما جاں کی کوئی نشان نہیں — نروکار نر دتیو مایا کا جا میں رنچک بھان نہیں
یہی برہم ہوں منن نرنتر کریں موکھش ہیت سبناسی — شُدھ سچدانند برہم ہوں اجر امر اج ابناشی

(۲) سرب دیشی ہوں برہم ہمارا ایک جگہ استھان نہیں — رما ہوں سب میں مجھ سے کوئی بھن وستو انسان نہیں
دیکھ وچار سوائے برہم کے ہُوا کبھی کچھ آن نہیں — کبھی نہ چھوٹے ہیر پھیر دکھ سے جسے برہم کا گیان نہیں
برہم گیان ہو جسے اُسے نہیں پڑے بھوگنی چوراسی — شُدھ سچدانند برہم ہوں اجر امر اج ابناشی

(۳) ادرشٹ اگوچر سدا ادرشٹ ہوں جا بن کا کوئی آکار نہیں — نیتی نیتی کہہ نگم رکھیشور پاتے جس کا پار نہیں
الکھ برہم لیو جان جگت نہیں کا رنہیں کوئی پار نہیں — آنکھ کھول دل کی ٹک پیارے تو کون طرف گلزار نہیں
ستیہ سروپ آنند راشی ہوں کہیں جسے گھٹ گھٹ باسی — شُدھ سچدانند برہم ہوں اجر امر اج ابناشی

کوشیتکی براہمن اُپنشد میں کاشی کے راجہ پرتردن اور دیوراج اندر کا سمباد ہم سُنتے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ ایک بار دیو اسُر سنگرام میں دیوراج کے بتر راجہ پرتردن دیوتاؤں کی سہایتا کرنے کے لیے دیوراج اندر کے دھام سورگ لوک میں گئے۔ وہاں اس یدھ کے اندر ان کی اُتم اور اپوربہ یدھ کوشل کلا اور پرشارتھ کو دیکھ کر اندر ماس سے پرسن ہو کر اندر نے ان سے کہا۔ اے پرتردن! بولو میں تمہیں اس سہایتا اور سیوا کے بدلے کیا ور دوں۔ اس پر راجہ پرتردن نے جواب دیا کہ اے دیوتاؤں کے مہاراج! اگر آپ یوں پرسن ہوئے ہیں تو آپ منش جاتی کے لیے اور خصوصاً میرے لیے بھی جس ور کو کلیان شریشٹھ سمجھیں اور ہم بہت ... جانتے ہیں وہی آپ دیا کریں

پروان کیجئے۔ یہ سُن کر اندر نے کہا کہ چونکہ سب کا اپنا اپنا ہی درشٹی کون ہوا کرتا ہے۔ کوئی بھی کبھی دوسرے کے لئے ور نہیں مانگتا چنانچہ ایسا ہی اس جگت کے اندر نیم ہے۔ اس لئے جو بھی تمہیں وانچھت وستو ہو وہی مجھ سے مانگ لو۔ اس پر پھر راجہ نے جواب دیا تب تو میرے لئے سرودھا ور کا ابھاؤ ہی رہیگا کیونکہ آپ خود تو دیتے نہیں اور مجھے کیا مانگنا چاہیئے اس بات کا علم نہیں۔ مگر پرتردن کے ایسا کہنے پر دیوراج اندر چونکہ اُسے ور دینے کی پرتگیا کر چکے تھے اس لئے وہ اپنے ستیہ سے مطلق بھی وچلت نہیں ہوئے اور پرتردن کے کچھ نہ مانگنے پر بھی ور دینے کے لئے تیار ہوگئے۔ اونہوں نے سوچا کہ سچ مچ منش جاتی کے لئے کون وستو پرم ہت کا سادھن ہو سکتی ہے۔ دھرم اور ایشور بھگتی بھی گو بہت حد تک ہت کے سادھن تو ہیں مگر پرم ہت کے سادھن وہ بھی نہیں کیونکہ دھرم کے پھل سورگ آدی اور اُپاسنا کے برہم لوک آدی بھی ناشوان ہیں اور ہو کر پھر نہیں رہتے۔ اس لئے اونہوں نے آتم گیان کو ہی منش ماتر کا پرم ہتیشی سادھن سمجھکر اُس کے ہی دینے کا من میں وچار کیا۔ اور اس لئے بھی کہ مکمل دُکھ کی نورتی اور پرمانند کی پراپتی بجز آتم گیان نہیں ہو سکتی۔ اس لئے بھی اُسے ہی دینے کا اونہوں نے مصمم ارادہ کر لیا۔ چنانچہ وہ پرتردن سے بولے۔

"मामेव विजानीह। एतदेवाहं मनुष्याय हिततमं मन्ये यन्माम् विजानीयात्"

ترجمہ:۔ اے پرتردن۔ تم مجھے ہی جانو یعنی۔ یعنی میرے ہی یتھارتھ سروپ کو سمجھو۔ اسے ہی میں منش جاتی کے لئے پرم کلیان مے۔ ور سمجھتا ہوں کہ منش مجھے بخوبی جان لیوے۔

اور اگر کوئی پوچھے کہ آپ میں ایسا کون گُن ہے۔ جس کے سبب آپ ایسا کہتے ہیں تو اس کا جواب یہ ہے۔ کہ میں نے پران برہم کے ساتھ اپنا ابھید نشچے کر لیا ہے۔ چونکہ اس پہچان کی وجہ سے مجھے کرتاپنے کا ابھیمان مطلق نہیں رہا اور میری بُدھی کبھی بھی شُبھ اشُبھ کرم سے لیپائمان نہیں ہوتی اسی لئے مجھے کوئی کرم سپرش نہیں کرتا۔ میں نے پرجاپتی کے پُتر تواشٹر (وشو روپ) کو جس کے تین سر تھے بجر کے پرہار سے مار ڈالا تھا مگر اس برہم ہتیا کرم سے بھی میری کوئی ہانی نہیں ہوئی۔ علاوہ اس کے کتنے ہی یتی سنیاسیوں کو جو اپنے آشرم اُچت آچار سے بھرشٹ اور ویدمکھ تھے میں نے مار کر شکاری کتوں اور بھیڑیوں کے حوالے کر دیا تو بھی میرا بال تک بینکا نہیں ہوا۔ یہ میرے برہم گیان کا نتیجہ ہے کہ مجھے کوئی نیک یا بد کرم یا اُس کا پھل چھو تک نہیں۔ نہ صرف اتنا ہی بلکہ اور بھی جو کوئی میرے اس یتھارتھ سروپ کو جانتا ہے۔ اُسے کبھی شُبھ اشُبھ کرم کا سپرش نہ ہوگا۔

مگر جان لو کہ اُپنشد کا ایسا ودھان فقط برہم ودیا کی اُستتی اور برہم گیانی مہاپُرش کی مہما بتلانے کے لئے ہی ہے نہ کہ پاپ کرموں کے سمرتھن کے لئے۔ کیونکہ حق یہ ہے کہ اہنکار سے رہت اور راگ دویش سے شونیہ جیون مُکت مہا پُرش سے کبھی اور کسی حالت میں بھی پاپ کرم یا ہنسا کا امکان نہیں ہو سکتا۔ وہ اُتم پُرش جس کی سروتر آتم درشٹی بن چکی ہو اُس سے بھلا کب کوئی ایسا کرم سرزد ہو سکتا ہے۔ اس لئے اگر دیوراج اندر سے ہنسا کرم کا تذکرہ اُپنشد نے کیا ہے تو وہ محض برہم گیان کی استتی کی ہے۔ اُس کا مطلب ہنسا کرم میں مطلق نہیں۔ شریمد بھگوت گیتا کے اندر بھی ایسی قسم کا ایک شلوک آیا ہے۔ جس سے اس بات کی تصدیق ہوتی ہے۔ اور وہ شلوک یہ ہے:۔

"यस्य नाहंकृतो भावो बुद्धिर्यस्य न लिप्यते ।
हत्वाऽपि स इमाँल्लोकान् न हन्ति न निबध्यते" ॥ (18-17)

ترجمہ :- (اے ارجن) جس کے اندر اہنکار کا بھاؤ نہیں اور جس کی بدھی (کرم پھل میں) لیپایمان نہیں ہوتی وہ ان تمام لوکوں کو ہنن بھی کرے تو بھی وہ ہنن نہیں کرتا۔ اور نہ بندھائمان ہی ہوتا ہے۔ (لہذا یہ فقط ارتھواد ماتر ہے) اس کے بعد دیوراج اندر نے اوپر کہے ہوئے اپنے اپدیش کو اور بھی سپشٹ کرنے کی غرض سے پھر پرتردن سے کہا۔

"स होवाच प्राणोऽस्मि प्रज्ञात्मा । तं माम् आयुरमृतं इत्युपासस्व "

ترجمہ :- وہ بولے۔ میں پرگیا سروپ پران ہوں۔ اس مجھ اندر کو تم "آیو" اور "امرت" روپ سے اپاسنا کرو۔ مطلب اس کا یہ ہے۔ کہ تمام پرانیوں کی آیو یعنی جیون روپ جو پران ہے اور جو مرتیو سے رہت امرت پد ہے وہ مجھ اندر سے جدا نہیں۔ چونکہ جب تک اس شریر میں پران نواس کرتا ہے۔ تب تک آیو ہوتی ہے۔ پران کے اتکرمن کرنے پر آیو سماپت ہو جاتی ہے۔ اس لیے صاف ظاہر ہے کہ پران ہی آیو اور امرت روپ ہے۔ بلکہ اور بھی دیکھیے پرلوک میں بھی جس سکھ کا انوبھو ہوا کرتا ہے۔ وہ بھی پران پورک ہی ہوتا ہے۔ اسی لیے بھی یہ ثابت ہے کہ پران مرتا نہیں اور امرت ہے۔ یوں اندر نے اپنی پران ردیتا کا اپدیش راجہ پرتردن کو کیا اور کہا کہ وہ "آیو" اور "امرت" روپ سے اپاسنا کرے اور بتلایا کہ جو بھی کوئی اور اس طرح اپاسنا کرتا ہے۔ وہ بھی امر ہوتا ہے۔ اور جیون میں پوری آیو بھوگتا ہے۔

لیکن سوال پیدا ہوتا ہے۔ کہ یہاں کس کی اپاسنا میں دیوراج کا مطلب ہے۔ کیا انہیں پرتردن سے اپنے شریر کی پوجا کروانی مطلوب ہے۔ یا شریر کے اندر جڑ پرانوں کی اپاسنا کروانا چاہتے ہیں۔ کیونکہ ان ہر دو کا ہی اوپر والے دونوں منتروں میں ذکر آیا ہے۔ یہ ایک پرشن ہے۔ جس کا سمادھان ہونا چاہیے۔

تو اس کا مختصر جواب یہ ہے۔ کہ یہاں نہ تو شریر کی اور نہ ہی پرانوں کی اپاسنا مطلوب ہے بلکہ ان دونوں سے جدا جیونی شکتی جو ہیں پرماتما کا ہی سروپ ہے۔ اس کی ہی اپاسنا میں ان کا تاتپریہ ہے۔ کیونکہ آگے چل کر پھر اسی اپنشد کے اندر

"एष प्राण एव प्रज्ञात्मानन्दोऽजरोऽमृतो "

ایسا بھی ایک منتر آیا ہے۔ جس سے بدیہی طور پر ثابت ہے۔ کہ یہاں پران پد سے پرماتما میں ہی دیوراج اندر کا مطلب ہے۔ اپنے شریر یا جڑ پرانوں میں نہیں کیونکہ یہ اجر امر آنند آدی تمام وشیشن سوائے پرماتما کے کسی اور میں اتر نہیں سکتے۔ لہذا کچھ مضائقہ نہیں اگر یہاں پران اور پرگیا یہ نام پرماتما کے لیے پریوگ کیے گئے ہیں۔ کیونکہ مطلب ان سے پرماتما کا ہی ہے۔

مگر یہ بات ابھی غور طلب رہ جاتی ضرور ہے۔ کہ کس وجہ سے پرماتما کے پران اور پرگیا یہ دونوں نام مقرر ہوئے ہیں۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ وہ کریا شکتی کی پردھانتا سے پران اور گیان شکتی سے پرگیا کہلاتا ہے۔

کریا اور گیان یہ دونوں .... اُس کی شکتیاں ہیں۔ جن کی وجہ سے اِس شریر میں پرویشٹ ہُوا وہ پران اور پرگیا ہو گیا ہے۔ بلکہ اگر غور کر کے دیکھا جاوے تو بجز اِن دونوں شکتیوں کے اس شریر کے اندر اور کچھ بھی موجود نہیں۔ سوکھشم یا لنگ شریر جو ویدانت پرکریاؤں کے اندر سترہ تتوؤں کا سمدائے رُوپ مانا جاتا ہے وہ اِن ہی دونوں شکتیوں کا مجموعہ ہے۔ چنانچہ اِس کے اندر پانچ کرم اندریاں اور پران تو پران رُوپ کریا شکتی ہے۔ اور من بدھی اور پانچ گیان اندریاں پرگیا رُوپ گیان شکتی ہے۔ اب اِن ہر دو شکتیوں کی تعریف بھی سُنیئے۔ جس سے شریر کے اندر کریا سمپادن ہو اُسے کریا شکتی پران کہتے ہیں۔ اور جس سے گیان نشپن ہو اُسے پرگیا یعنی گیان شکتی بولتے ہیں۔ یوں اِن دونوں شکتیوں کا ہی وستار اِن شریروں کے اندر سترہ تتوؤں کا لنگ یا سوکھشم شریر کہلاتا ہے۔ یوں سمجھو کہ خود گیان سرُوپ پرماتما ہی اسی طرح دو دو رُوپ ہو کر ہر جامے کے اندر پرویشٹ ہوا ہے جب غلطی سے عامیان پرماتما سے الگ تتو مان کر خودی کا تصوّر بنائے ہوئے ہیں۔ اگر یہ جیو یا لنگ آتما کوئی فی الواقع الگ تتو ہوتا تو اس کے پرماتما ہونے کا اُپدیش ہی ویدانت گرنتھوں میں کیوں کیا جاتا اور یہاں تو اِس کو شیتکی اُپنشد کے اندر کھلے اور صاف شبدوں میں پرتردن کو دیو راج اندر کا اُپدیش ہے کہ وہ اُسے پران اور پرگیا رُوپ سے جانے۔ مطلب اندر کا یہ تھا کہ وہ اپنے آپ کو عین پران اور پرگیا رُوپ پرماتما ہی نشچے کرے۔ اس سے الگ آپ کچھ نہ سمجھے +

مزید یہ بھی جان لو کہ یہ پران اور پرگیا اِس جسم کے اندر پتی اور پتنی کے رُوپ میں پرویشٹ ہوئے ہیں۔ یہ ہماری کپول کلپنا نہیں۔ اسے ہم اُپنشد سے ہی لائے ہیں۔ اگر کسی کو اِس کی تصدیق درکار ہو تو وہ اسے برہدارنیک اُپنشد کے پہلے ادھیائے کے چوتھے براہمن اور تیسرے منتر میں سے تلاش کرے۔ حیرت کی بات تو یہ ہے کہ یہ دونوں مل کر ہی اِس جسم کے اندر کریڑا کرتے ہیں۔ دیکھیے جاگرت اور سوپن کے اندر جب پرگیا ہی انتہ کرن اور اندریوں کے رُوپ میں پرنیام پراپت کرتی ہے۔ تو یہ پران ان سب کو اپنی سَتّا اور شکتی دیتا ہوا ہی اس شریر کے اندر براجمان رہتا ہے۔ پھر جب دوسری حالت یعنی گہری نیند جسے سکھپتی کہتے ہیں۔ یہ جیو تمام اندریے اور انتہ کرن کی ہمراہی کو سمیٹ کر سو جاتا ہے تب یہ پران پتی اُس کی دیکھ بھال کے لیے جاگتا رہتا ہے۔ ورنہ اِس کے بھی سو جانے پر موت کا وہم ہو جانے سے اس شریر کو بھی جلا دیا جاتا۔ اِس کے بعد تیسری حالت میں موت ہو جانے پر یہ پران پتی پرگیا پتنی کو ساتھ لیکر پرلوک میں چلا جاتا ہے۔ اور وہاں بھی جس شریر کو گرہن کرتا ہے اور بھوگ بھوگتا ہے وہ سب کھیل بھی اِس کی پرگیا کے سہت ہی ہوتی ہے۔ غرض اِس سے یہ ہے کہ پیدائش سے لیکر موت تک۔ اور پھر بعد موت پرلوک میں بھی یہ پران اور پرگیا ہر بار اکھٹے ہی اُٹھتے اور سب کریڑا کرتے ہیں یہاں تک کہ جُملہ دو ہالیوں کے یہ دونو مل کر ہی نِروا یک ہوتے ہیں اور یہ ایک عجیب تماشا ہے کہ پرماتما خود ہی ہر جامے کے اندر یوں پران اور پرگیا ہو کر لیلا کرتا رہتا ہے۔ چونکہ یہ دونو باہم ایک ہی پرماتما کے رُوپ ہیں۔ اس لیئے اِن کا پرسپر ویوگ کبھی نہیں ہوتا یہی وجہ ہے کہ اُپنشد آگے چل کر اِن دونو کو ایک ہی تتو کہہ کر بیان کرتی ہے۔ اور وہ شرتی یہ ہے۔

"यो वै प्राणः सा प्रज्ञा या वा प्रज्ञा स प्राणः । सह ह्येतौ ऽस्मान्
शरीरे वसतः सह उत्क्रामतः"

ترجمہ: نشچے کر کے جو یہ پران ہے وہ پرگیا ہے۔ اور جو پرگیا ہے وہ پران ہے یہ اکھٹے ہی اس شریر میں

نواس کرتے ہیں اور اکٹھے ہی اُتکرمن کرتے ہیں۔

علاوہ اس کے پران کے عین پرماتما ہونے میں ایک یہ بھی پرمان ہو سکتا ہے۔ کہ جو جو بھی گن خصوصیت کے ساتھ ویدنے پرماتما کے لئے بیان کئے ہیں وہ سب اس پران کے اندر موجود ہیں۔ مثال کے طور پر دیکھئے:

(۱) پرماتما اگر تمام دُنیا کا مبدا یعنی کارن ہے تو پران سے بھی تمام شریروں کی اُتپتی ہوتی ہے۔ کیونکہ جب تک پران شریر میں نہیں آتے کوئی بھی پیدائیش مانی نہیں جاتی۔

(۲) پھر پرماتما سے اگر تمام دُنیا کی پرلے ہوتی ہے۔ تو ادھر بھی یہ امر صحیح ہے کہ پران کے نکل جانے پر تمام شریر مُردہ ہو جاتے ہیں۔

(3) اس طرح پرماتما اگر سرب شکتی اور سروِ الیشور ہے تو یہ بھی بخوبی ظاہر ہے کہ پران کے سبب ہی شریروں میں بل اور شکتی ہے۔ (۴) پھر پرماتما اگر تمام دُنیا رتح کر اُس کے اندر اسنگ اور اداسین رہتا ہے تو پران بھی سب اندریوں اور انتہ کرن میں رہتا ہوا انہیں زندگی بخشتا ہوا بھی اسنگ اور نرودکار ہی رہتا ہے۔

(۵) اس پرکار پرماتما اگر چیتن ہونے سے ساری سرشٹی کو چیتن کرتا اور بنیا ([illegible]) ہوتا ہے۔ تو یہ بھی ظاہر ہے کہ بجز پران کسی اندریہ یا انتہ کرن میں حس و حرکت نہیں ہو سکتی۔ یہ پران ہی پرماتما کی مانند سب کے زندگی دیتا چیتن کرتا ہوا اُن سب کا پالک ہے۔ غرض قصہ کوتہ پرماتما کے تمام گن پران کے اندر ہی پائے جاتے ہیں۔ اس لئے یہ پران پرماتما ہے۔ اسی وجہ سے دیوتا اندر نے اپنے تئیں پران ہی بتلا کر راجہ پرتردن کو اپنی اُپاسنا کے لئے اُپدیش دیا کہ وہ اُسے پران رُوپ جانے اور اُس کی اُپاسنا کرے۔

اُپنشد کے آخر میں بھی یہی چیز پھر سے دوہرائی گئی ہے۔ اور اندر نے پرتردن سے پھر کہا۔

"एष लोकपाल एष लाकाधिपति: एष सर्वेश्वर: स म आत्मा इति विद्यात्"

ترجمہ:- یہ (پران پرماتما) ہی لوک پال ہے۔ یہ ہی لوک ادھی پتی ہے۔ یہ ہی سروِ الیشور ہے۔ اور یہ ہی میرا آتما ہے۔

اختصاراً اس ساری کہانی کا یہ ہے کہ آدمی اپنی حقیقت کو پہچانے اور خود شناس بنے۔ بجز اس پہچان کے انسان کا دوسرا ہت کا سادھن نہیں۔ یہی پہچان اس لوک میں سُکھ اور شانتی اور پرلوک میں اعلےٰ گتی کا موجب ہے۔ چنانچہ یہی بات شرتی بھگوتی نے جیووں کی کلیان کے لئے پرم ہت کا سادھن جان کر کہانی کے رُوپ میں ہمارے تئیں بیان کی ہے۔ اور ہم نے بھی اُسی کے آدھار پر یہ چند سطور ادم پیاروں کے لئے خود شناسی کی غرض سے بطور تشریح خاطر کئے ہیں۔ اغلب ہے کسی ادھیکاری کے آتم کلیان کے لئے یہ مُفید ثابت ہو۔ اور ہمارا پرتین سپھل ہو جائے۔

"خود شناسی کار باشد اے فلاں ✢ کارِ دیگر ہیچ ہیں و ہیچ داں"

"ادم سشم"

شری پران پرگیہ رُوپنے پرماتمنے نمہ

ترانۂ توحید



الف

اِک ادویت اکھنڈ پورن سُتے سِدھ چیتن سروپ ہوں میں
وستو کال تے دیش پریچھید باجھوں شُدھ سچدانند انوپ ہوں میں
واحد پاک ہے ذات خدا میری مخصوص علم ہے نام تے رُوپ ہوں میں
رغبت کُل جہان جو عرش فرشیں پورن آج تے سروا محبوب ہوں میں

ب

بندگی رب دی ایہہ اعلیٰ چھوڑ دئیں تے غرق وچ ذات ہو وو
جانو کُل جہان ہے ذات رب دی بناں رُوپ تے نام صفات ہو وو
بناں آپ مویاں رب نہیں ملدا بھاویں ڈھونڈ دے وچ جنگلات ہو وو
مار وچھال وچ بحر توحید پورن مِل ذات دے نال پھر ذات ہو وو

پ

پسری اے ذات خدا ساڈی بناں اکھیاں کون دیدار دیکھے
اکھیں ملدیاں نے اکھیں والیاں نوں پہلے خودی نوں جانوں جو یار دیکھے
انہاں اکھیاں وچ اکھ ہور کائی جہڑی سدا اپنی اپنا یار دیکھے
نظر نمازیاں دی اُٹھے پیر پورن ایہیں سنگت نوں شاہی دربار دیکھے

ت

تاڑ سکھے اکھیاں مُرشداں نے باجھ حق دے غیر مت تاڑ بیٹھیں
بھٹھی اگ دی ویکھنا غیر حق نوں غیر سمجھ کے جان مت ساڑ بیٹھیں
انا الحق نوں وانگ منصور آکھیں پہلے غیر نوں سُولی تے چاہڑ بیٹھیں
دسّے حق ہی حق جو فیر پورن پردہ دُوئی دا لاجیکہ پاڑ بیٹھیں

ٹ

ٹال مٹول نہ عشق اندر جان دے کے ملدا اے یار جاناں
سر کپ کے خودی دا تھال اُتے کرے پیش جو یار دے نذرانہ
بہندا یار منھلڑا یار اوتھے جتھے ویکھدا غیر نہیں صاف خانہ
ہووے شمع دیناں اوہ شمع پورن دیوے شمع تے جان جو پروانہ

ث

ثابتی دل دی خوب ہووے تد دل عشق اندر پیر دھرن ہوندا
چھڈ کُل جہان دی خواہشاں نوں ایتھے جیوندیاں ہی پہلے مرن ہوندا
اکھیں خون وگے جا گھے ہنجواں دے ساڑ رہوں دا جیدل نہ جرن ہوندا
ملدا یار نہ آلا کے یار پورن جہڑا دست بستہ اوہدی شرن ہوندا

(باقی پھر)

فلسفۂ وحدت

(از قلم شری بھاگ مل جی سائیں)

مصلحت وقت کا تقاضا ایک ایسے فلسفہ اور گیان کا ہے جو آشا دلیری بے خوفی آتم وشواش اور آتم گیان دیتا ہو۔ انسان کو اپنے پاؤں پر سیدھا کھڑا ہونا سکھلائے۔ ہر وجود کی زندگی کا راز اُس کی ذات آتما میں موجود ہے۔ جو خود اپنے آپ کو چلاتا ترمیم و تنسیخ کرتا ہے۔ اور خود ہی جگت کی جُملہ شکلوں اور صورتوں میں اظہار کر رہا ہے۔ اب ایک ایسے فلسفہ کی اشد ضرورت ہے۔ جو مادر مہربان کی مانند ہمیں وسیع دلی، وسیع نظری، ثابت قدمی۔ ہمدردی متعدی اور راست پسندی سے بہرہ ور کرے۔ اب وہ پہلے زمانے کے سے حالات نہیں رہے۔ اب نئی جدت نئے خیال اور نئے کام کا وقت ہے۔ اس لئے ہمیں ایسے فلسفہ کی ضرورت ہے جو ہمارے اندر نوجیون کا آغاز کرکے ہماری زندگی سپھل کرے اور ماضی کی پرستش اور تقلید سے بے نیاز بنائے۔ نیز نڈر اور بے خوف بنائے۔ اُپنشد کے امرت وچنوں ——— "یقیناً دوسرے سے ڈر لگتا ہے"۔ کے ذریعے خوف ہٹائے پیچھے لوٹنے کی بجائے آگے ہی آگے بڑھے چلے جانے کا سبق پڑھائے۔ آتم گیان اور خود شناسی کے ذریعہ سب میں اپنا آپ اور اپنے آپ میں سب کا درشن کرائے۔ اور اس طرح سارا سنسار اپنا بڑا جسم اور جملہ اشیاء اور جاندار اپنے انگ محسوس ہوں۔

پرسینیاسی سوامی وویکانند نے وقت کی نزاکت کو مدِنظر رکھتے ہوئے فلسفہ وحدت کی جانب توجہ دلائی تھی جب اُس نے یہ کہا تھا ——— "کوئی بھی چیز جو تمہیں جسمانی، عقلی اور روحانی طور پر کمزور کرتی ہے۔ اُسے زہر یلا سمجھ کر چھوڑ دو اُس میں کوئی زندگی نہیں۔ وہ ست نہیں ہو سکتی۔ سچائی طاقت دیتی ہے۔ سچائی پوتر ہے۔ سچائی گیان ہے۔ اب ہمارے مُلک کو جس شئے کی ضرورت ہے وہ آہنی عضلات فولادی اعصاب اور عظیم ارادہ ہے۔ جسے کوئی روک نہیں سکتا ہے۔ جو سنسار کے بھیدوں اور رازوں میں نفوذ پذیر ہو سکتا ہے۔ اور وہ اس مقصد کو پُورا کر کے ہی دم لیگا۔ خواہ اُسے اِس مقصد کے لئے سمندر کی تہ تک جانا یا مرتیو کا رُوبرُو سامنا کرنا پڑے۔ ہمارا رُوحانی اثاثہ وحدت ہے اور اُس کی جانب جاگنا ہمارے اپنے دیش کو ہی نہیں بلکہ ہماری اپنی اور سب کے ساتھ مشترکہ زمین کو زندہ بہشت میں بدل سکتا ہے۔"

بعض لوگ اعتراض کرتے ہیں کہ فلسفۂ وحدت سُست، کاہل اور اُداس بناتا ہے۔ اور انسان کو کسی کام کا نہیں چھوڑتا۔ دُنیا کو دُکھوں کا گھر بتا کر اُس سے فرار کا سبق پڑھاتا ہے۔ جو سراسر غلط ہے۔ فلسفۂ وحدت کی سچی تعلیم انسان کو کمزور، سُست اور نکما نہیں بناتی بلکہ ترقی یافتہ اور طاقتور بناتی ہے۔ دُنیا سے کنارہ کش ہونے کی بجائے بھوساگر کے دُکھوں میں تیرنا سکھلاتی اور زندگی کو ختم کرنے کی بجائے کمال کی جانب لے

جاتی ہے۔ اور اُسے سپھل اور باثمر بناتی ہے۔ جیسے پھول اپنی بھینی بھینی خوشبو سے مہکانے اور اپنے تبسم سے مرجھائے ہوئے دلوں کو کھلانے کے قابل ہوتا ہے۔ اسی طرح اِس نیم سے پوری طرح بہرہ ور ہونے پر انسان کو نہ تو باہر کے سکھوں کی تمنا رہتی ہے۔ اور نہ ہی کوئی ڈر رہتا ہے۔ وہ اپنے اندر بے حد سرور کا اکھنڈ خزانہ پاکر اسے باہر لٹانے کے لئے جیتا ہے۔ اور ہر قسم کے بیرونی دکھوں کو نہ صرف آنند کے ساتھ برداشت کرنے کے قابل ہوتا ہے۔ بلکہ انہیں بھی اندرونی آنند میں بدل ڈالنے کی کیمیائی قوت رکھتا ہے۔ کیونکہ اُس کی نگاہ میں سچا اور جیونت موکش زندگی کے ترک میں نہیں بلکہ زندگی کے کمال میں ہے۔ وِراگ میں نہیں بلکہ پریم پیار اور محبت میں ہے۔ سب سے الگ ہونے میں نہیں بلکہ رشتہ پریم سے سب کے ساتھ میل ملاپ میں ہے۔ کاہلی سستی اور بے کاری میں نہیں بلکہ کرم یوگ میں ہے یا یوں کہ زندہ نجات سنکوچ سے نہیں بلکہ آتم پرکاش سے۔ لے سے نہیں بلکہ وکاش سے، ویراگیہ سے نہیں بلکہ محبت سے پراپت ہوتی ہے۔ کیونکہ سچا آتم گیان گھر، مکان اور دفتر کو تپوبن بنا دیتا ہے۔ اور سچی خوشی کو جنگلوں اور ہمالیہ پہاڑ کی چوٹیوں کی کپھاؤں سے ہر ایک دم کے روزانہ کاروبار میں لاتا ہے۔ یعنی آسمان سے اُتار کر نیچے زمینی طبقہ پر لاتا ہے۔ حیوانی میلانات کو روحانی میلانات میں تبدیل کر دیتا ہے۔ کام، کرودھ لوبھ موہ اہنکار کو کیمیائے روحانی سے اُن کے روپ بدل کر سچے دوست اور خادم بنا دیتا ہے۔ اور اس فانی اور لحظہ بہ لحظہ بدلنے والی کائنات میں اسے جینے کا دغیس آنند دیتا ہے۔

فلسفہ وحدت وہ پاک اور پوتر روحانی تعلیم ہے۔ جس سے دل کی جملہ گرہیں کھل جاتی ہیں۔ اور شک و شبہات کا پردہ سامنے سے ہٹ جاتا ہے۔ میرے تیرے کا وہم دور ہو جاتا ہے۔ آتما پرماتما کا درمیانی پردہ اُٹھ جاتا ہے۔ اپنا بیگانہ سب یکساں ہو جاتے ہیں۔ دوست دشمن کی تمیز اُڑ جاتی ہے۔ ستک اور ناستک ایک نور کا جلوہ دکھائی دیتے ہیں۔ یعنی اِس تعلیم سے پورن طور پر بہرہ ور انسان کو ہر اوستھا میں آنند ہی آنند بھاستا ہے۔ جملہ اشیا سرور مجسم معلوم و محسوس ہوتی ہیں جو کچھ بھی وارد ہوتا ہے اُسے عین بھلائی ہی بھلائی معلوم ہوتی ہے۔ اور وہ شری گورو نانک صاحب کی زبان میں کہہ اُٹھتا ہے۔

بھلا بھلا بھلا تیرا روپ ❊ آتی سندر اپار انوپ

سرو تر ایک ہی اکھنڈ ستا بھاستے کے کارن اور اِس شاہی راز سے واقف کار ہونے کی وجہ سے کہ سب کا سب کے ساتھ اندرونی اور اٹوٹ تعلق ہے۔ کوئی بھی اپنی حقیقی ہستی اور زندگی سے جدا نہیں۔ سب میں ایک زندگی ہے۔ اور سب کی بھلائی ایک مشترکہ معاملہ ہے۔ اُس کے من میں محض پریم ہی پریم ہوتا ہے۔ دوسروں کو غلطی اور غفلت میں پڑا دیکھ کر اُن کو نفرت کی نگاہ سے نہیں دیکھتا۔ بلکہ انہیں اُوپر اُٹھانے کی کوشش کرتا ہے۔ بلا امتیاز مذہب و ملت سب کو راہ نجات دکھاتا ہے۔ دکھ دینے والے سے بھی محبت کا اظہار کرتا ہے اور حضرت عیسےٰ کی مانند دعا کرتا ہے۔ یا خدا مجھے اذیت دینے والوں کے گناہ معاف کرنا کیونکہ انہیں اِس بات کا مطلق علم نہیں کہ وہ کیا کر رہے ہیں۔

اِس پوتر فلسفہ وحدت کی جڑیں پاتال میں ہیں کیونکہ اس کا آدرش آتما ہے۔ مصر، چین، گریک وغیرہ کی مادہ پرست سلطنتیں اور تہذیبیں نیست و نابود ہو گئیں مگر یہ بھارت ورش کے سنہری دنوں کی روحانی تعلیم ابھی تک اپنی آن بان شان میں بدستور قائم و دائم ہے۔ اور قائم دائم رہے گی۔ کیونکہ اِس کا آدرش جیسا کہ اُوپر بتایا گیا ہے۔

ایکتا، وحدت، ست چت آنند ہے۔ چونکہ یہ تعلیم سب کچھ اپنے آپ میں جگا کر نرکو نرائن، بندہ کو خدا، جیو کو برھم اور مخلوق کو خالق بناتی ہے اور صحیح معنوں میں روزمرہ کا جینا سکھلاتی ہے۔ اور کل کے ساتھ ہم آہنگ اور موافق ہونا بتاتی ہے۔ اور سب کے ساتھ اپنے آپ کی مانند عملی برتاؤ کرنا سکھاتی ہے۔ اور سب کے دُکھ سکھ اپنے دُکھ سُکھ کے سمان سمجھنا بتلاتی ہے۔ اس لئے خود غرض لوگ جو اسے جڑ سے اکھاڑنے کے درپے ہیں کبھی کامیاب نہ ہوسکیں گے یہ رہتی دُنیا تک امر رہے گی۔ کیونکہ اُس کی سچائی ستاروں کی مانند قدیم آسمان کی مانند وسیع اور سمندر کی مانند عمیق ہے۔ اور زمانوں کی دریافت شدہ سچائیوں کا نچوڑ ہے۔ اس لئے یہ دائم پیاسی آتماؤں کو نئی زندگی، تسکین قلب اور رُوحانیت کا سرور بخشتی رہے گی۔

کاش لوگ اِس فلسفۂ وحدت کو روحانی تعلیم سے بہرہ ور ہوکر اپنے اندرونی دُشمنوں پر فتح پائیں اور آتم گیان کے ذریعہ سب میں اپنا اور آپ میں سب کا درشن پاکر پریم مے ہو جائیں۔ راگ دویش دونوں نیست و نابود ہو جائیں۔ اور سنسار کی جملہ اشیا اور جاندار اپنے ہی انگ محسوس ہوں۔ سارے سنسار کی خرابیوں اور برائیوں کا موثر مکمل اور واحد علاج ایکتا کی تعلیم ہے۔ اگر آج نوع انسان فلسفہ وحدت کو اصل معنوں میں اپنالیں تو دُنیا بھر کے جھگڑے ختم ہوکر دستو شانتی ستھاپت ہو جائے۔ آمین

نوٹ:۔ میں نے اپنے ایک پچھلے مضمون ——— میں ان کا روشن پہلو دکھانے کے سلسلہ میں اپنی جدید کتابوں کا ذکر کیا تھا۔ اُن میں سے پہلی کتاب "تقدیر تدبیر کا ایکسرے" چھپ کر ناظرینِ آدم کے ہاتھوں میں پہنچ چکی ہے۔ اس سلسلہ کی دوسری کتاب "پربھو کے ساکشات درشن ہے"۔ اس کی کتابت تقریباً ختم ہے۔ اب اُسے کسی اچھے ایکرلک پریس میں دیا جائے گا۔ مضمون کے لحاظ سے یہ کتاب اپنی مثال آپ ہے۔ اور اشتہاری دُنیا سے بہت اُونچی ہے۔

(بقیہ صفحہ ۱۷) گیتا سار:۔

نندا کرے جو ان کی کوئی آتا اس سے انہیں نہ کرودھ
اُستتی سُن کر کچھ نہ اپنی ہوئے بڑائی کا بھی بودھ
سبھی اوستھا میں وے لیتے پورن ہیں سنتوش کو دھار
گھر سے ان کو موہ نہ ہوتا۔ بدھی ڈولتی نہ اک وار
یہ گن سارے جن میں ہوتے اور ہیں ہوتے بھگتی وان
ان پرشوں کو پیارا میرا ارجن تم نے لینا جان
یہ گن دھارے جو بھی پرانی پربھو پیارا بن جاتا ہے
شُدھ ہو جائے پرلوک بھی چاولہ یہاں بھی سکھ وہ پاتا ہے

نوٹ:۔ شری چاولہ صاحب کی تمام تصانیف رسالہ آدم دہلی سے مل سکتی ہیں۔

مسلسل

قسط ۲

گیتا سار

(از قلم لالہ کانشی رام صاحب چاولہ لدھیانہ)

ارجن نے پُوچھا:-

اپنے پیاروں کے جو لکشن آپ نے پربھُو سنائے ہیں
ہیں اتی سُندر اور منوہر میرے من کو بھائے ہیں
اور بھی کچھ گُن ان پیاروں کے بھگون آپ سُنا دینا
بنتی میری مان کے سوامی کرپا کر بتلا دینا

بھگوان کرشن بولے:-

اچھا تیری شُبھ ہے ارجن پرشن بھی تیرا پیارا ہے
تیری یہ جگیاسا سُنکر من پرسن ہمارا ہے
پربھو پیاروں کے اور بھی کچھ گُن تم کو ابھی سُناتا ہوں
کیسی دشا ہے ان کی ہوتی وہ تجھُ کو بتلاتا ہوں
خوشی کا اوسر آ جانے پر نہ ناچتے ہیں نہ پھُولتے ہیں
کشٹ کے آنے پر روتے نہ دُکھ کے اندر جھُولتے ہیں
چنتا نکٹ نہ آنے دیتے نہ کوئی کامنا کرتے ہیں
بھلا بُرا جو پھل کرموں کا اِس کا دھیان نہ دھرتے ہیں
بھگتی سے بھرپُور ہوئے من۔ یہ گُن جنہوں نے دھارے ہیں
ارجن نشچے جان یہ لینا وہ ایشور کے پیارے ہیں
شترو سے نہ دویش ہیں کرتے متر سے نہ ہوتا راگ
مان سے وہ نہ ہرشت ہوتے بھڑکے نہ اپمان سے آگ
سردی آوے گرمی آوے سُکھ آوے یا آوے دُکھ
ان کی ستھتی ہے ایک سی رہتی سمتا کو وہ رکھتے مُکھ
کرم سبھی سنسار کے کرتے پر نہ اس میں پھنستے ہیں
جیسے کیچ میں کمل ہے رہتا ویسے جگ میں بستے ہیں

(باقی صفحہ ۱۶ پر)

تاریخ کا ایک ورق

سداچار اور دُراچار کا پھل

(از لالہ کانشی رام صاحب چاولہ)

جو پوترتا بھارت ورش کی دیویوں میں پائی جاتی ہے۔ وہ دُنیا کے اور کسی خطے میں نہیں دیکھی جاتی۔ یہ بھارت ورش ہی ہے کہ جہاں کی ناری اپنے پتی کی موت پر اُس کی چتا میں بیٹھ کر اُس کے ساتھ ہی جل جاتی تھی۔ اب بھی کئی واقعات ستی ہونے کے سُننے جاتے ہیں۔ اگرچہ یہ رسم قانون کی رو سے بند ہو چکی ہے۔ اور موجودہ سماج بھی اُس کی تائید نہیں کرتا۔ بھارت کی ہی وہ ناریاں ہیں جو اپنے پتی کے مر جانے پر اُسی کی یاد میں اپنی عمر گذار دیتی ہیں۔ بلاشبہ ودھوا بواہ کا رواج ہو گیا ہے۔ اور اب کئی ودھواؤں کی دوبارہ شادی کر دی جاتی ہے۔ لیکن اب بھی بے شمار ایسی بھارتیہ دیویاں ہیں جو مجبور کئے جانے پر بھی دوسری بار ازدواجی زندگی میں داخل ہونا معیوب خیال کرتی ہیں۔ بہت سی ودھوائیں تو اپنے گھر والوں کی بدسلوکی کی وجہ سے ہی شادی کرنے کا فیصلہ کرتی ہیں۔ ورنہ اگر اُنہیں گھر میں اچھا سلوک ملے تو شاید اتنی ودھوائیں بھی دوبارہ بیاہ کرنے کے لئے تیار نہ ہوں۔ ساتھ ہی مغربی تہذیب اور مغربی ممالک کی بدحال ازدواجی زندگی نے اور وہاں کے پیدا کئے ہوئے بُرے لٹریچر نے بھی اس مُلک پر اثر بد ڈالا ہے۔ اُن مُلکوں میں گھریلو زندگی کا کیا حال ہے۔ اس کے متعلق صرف ایک دو باتیں درج کر دینا ہی کافی ہوگا۔

امریکہ کے ڈاکٹر ٹرمن نے ۱۹۳۸ء میں ۷۹۲ شادی شدہ جوڑوں کے متعلق تحقیقات کی اور جو حالات اُسے اپنی دریافت میں معلوم ہوئے اُن کو مدنظر رکھتے ہوئے اُس نے پیشنگوئی کی تھی کہ ۱۹۵۵ء تک ایک فی صدی بھی ایسا نوجوان نہ ملے گا۔ جس نے شادی سے پہلے ہی کسی نہ کسی لڑکی سے جنسی تعلق قائم نہ کر لیا ہو اور ۱۹۶۰ء تک کوئی ایسی کنواری لڑکی نہ ملے گی جو شادی سے پہلے ہی اپنی عصمت نہ لٹا چکی ہو۔

اُن ممالک میں کم از کم چھ شادیوں میں سے ایک ضرور ٹوٹ جاتی ہے اور چھ شادی کرنے والی عورتوں میں سے کم از کم ایک عورت شادی سے پہلے ہی گربھوتی ہو جاتی ہے۔ وہاں عیش و عشرت کی زندگی بسر کرنے کو اتنا اہم سمجھا جاتا ہے کہ نومبر ۱۹۵۳ء میں ایک ۷۱ سالہ عورت نے شادی کی جس کے اپنے بچے اور پوتے دوہتے ۲۱ کی تعداد تک پہنچ چکے تھے لکھا ہے کہ اُس عورت کی دو پوتیوں کی شادی بھی انہی دنوں میں ہوئی۔ مارچ ۱۹۵۴ء کی خبر چھپی تھی کہ ایک مالدار عورت بربرا نامی نے اپنی پانچویں شادی رچائی۔ پچھلے خاوند کے ساتھ صرف دس ہفتے رہی۔ اور طرفہ یہ ہے کہ اُس کے پانچویں خاوند کی بھی یہ چوتھی شادی ہے۔

یہ سب باتیں مغربی تہذیب کا نقشہ پیش کرنے کے لئے بتلائی گئی ہیں اور اُس کے مقابلہ میں بھارت ورش کی سینکڑوں دیویوں کے اپنی عصمت کو بچانے کے حیرت افزا واقعات ہو چکے ہیں۔ اُن میں سے ایک آج ناظرین "اوم" کے سامنے پیش کیا جاتا ہے۔

بنگال میں ایک ٹھاکر دلیپ سنگھ مرشد آباد میں مال افسر لگے ہوئے تھے۔ وہاں پر جگن ناتھ بھٹاچاریہ کی زمین تھی اُس کی عد

کملا نہایت خوبصورت تھی۔ تین چھوٹے چھوٹے بچے تھے کے رام ناتھ، کرشن ناتھ اور وشوا ناتھ تھے۔ ٹھاکر دیوی سنگھ نے کسی طرح کملا کو دیکھ لیا اور اُس کے خیالات میں ناپاکیزگی آ گئی۔ اُس نے ارادہ کیا کہ کسی نہ کسی طرح کملا کو اپنے قبضہ میں لُوں اور اس ناپاک ارادہ کی تکمیل کے لئے وہ کئی تجاویز سوچنے لگا۔ اُن دِنوں بنگال میں ایسٹ انڈیا کمپنی کا راج تھا وہ جائز ناجائز حرکات سے اپنا تسلط اس مُلک میں جمانا چاہتی تھی۔ اس لئے کمپنی نے اپنے افسروں کو کافی ڈھیل دے رکھی تھی۔ افسر لوگ رعایا پر عموماً سختی کرتے تھے لیکن کمپنی کے اعلے حاکم اُن کے خلاف کوئی شکایت نہیں سُنتے تھے کیونکہ وہ جانتے تھے کہ جب تک ماتحت افسروں کو اپنا تخت بٹھانے کا موقعہ نہ دیا جائے گا تب تک ان کی حکومت جم نہ سکے گی۔ چنانچہ انہی حالات کا ناجائز فائدہ اُٹھاتے ہوئے ٹھاکر دیوی سنگھ نے کملا کو اپنے پاس بُلانے کی ایک تدبیر سوچی۔ کملا کے پتی جگن ناتھ کے ذمہ زمین کا کچھ لگان بقایا تھا۔ اس لگان کی وصُولی کے لئے ٹھاکر نے جگن ناتھ کو اپنے روبرو طلب کیا اور لگان کی فوری ادائیگی کرنے کے لئے اسے مجبور کیا۔ جگن ناتھ کے پاس روپیہ تیار نہیں تھا۔ اس نے مہلت مانگی۔ لیکن ٹھاکر نے مہلت نہ دے کر جگن ناتھ کو قید میں ڈال دیا۔ پھر کملا کو بُلا بھیجا اور ساری بات سُنا کر اُسے حالات سے مطلع کیا۔ تب اُن دونوں کے درمیان یہ بات چیت ہوئی۔

ٹھاکر:۔ تم جانتی ہو کہ تمہارے پتی کے ذمہ سرکاری لگان بقایا ہے۔ کمپنی کا حکم ہے کہ اُسکی وصولی فوراً کی جائے یہ بھی تمہیں علم ہے کہ تمہارے خاوند کے پاس روپیہ لگان کی ادائیگی کے لئے نہیں ہے۔

کملا۔ ہاں سرکار میں یہ سب کچھ جانتی ہُوں۔ آپ ہمیں مہلت دیں۔ میرا پتی کچھ کام دھندا کر کے پیسہ کمائیں گے اور لگان کی ادائیگی کر دینگے۔ بچے میرے چھوٹے ہیں۔

ٹھاکر:۔ مہلت تو ملنی مشکل ہے۔ چونکہ کمپنی کا حکم بڑا سخت ہے میں اُسے ٹال نہیں سکتا۔ ہاں اگر تم خود روپے کی ادائیگی کا انتظام کر دو تو تمہارا پتی رہا ہو سکتا ہے۔

کملا:۔ اگر میرے پاس روپیہ ہوتا تو آپ جانتے ہیں کہ میں اپنے پوجیہ پتی کو دم بھر کے لئے بھی حراست میں نہ رہنے دیتی۔ افسوس ہے کہ میرے پاس زیور بھی نہیں ہے۔ ورنہ وہی فروخت کر کے سرکاری رقم پیش کر دیتی۔ اب میں نہیں سمجھتی کہ میں خود کس طرح ادائیگی کر سکتی ہُوں۔ آپ ہمیں مہلت ضرور دیجئے۔

ٹھاکر۔ یہ تو میں جانتا ہُوں کہ نہ تمہارے پاس نقد روپیہ ہے اور نہ زیور لیکن پھر بھی اگر تم چاہو تو اپنے پتی کو رہا کروا سکتی ہو۔

کملا۔ سرکار یہ آپ کیا پہیلی ڈال رہے ہیں۔ روپیہ کی ادائیگی آپ فوراً مانگتے ہیں۔ روپیہ یا اور کوئی ذریعہ ہمارے پاس ادائیگی کا نہیں ہے۔ تو میں ایسی مصیبت کی حالت میں کیا کر سکتی ہُوں؟

ٹھاکر۔ تم جان بُوجھ کر بات کو ٹال رہی ہو۔ حالانکہ تم میری بات کو سمجھ رہی ہو۔

کملا۔ اپنے بھولے بھاؤ اور معصومیت سے بولی میں آپ کو دھرم کی قسم کھا کر کہتی ہوں کہ میں آپ کا مطلب نہیں سمجھ سکی۔ اگر میرا پتی رہا ہو سکے تو اس سے زیادہ خوشی مجھے اور کیا ہو گی۔ میرے تو پران بھی میرے پتی دیو ہی ہیں۔ جب سے آپ نے اُنہیں قید میں ڈالا ہے۔ مانو میرے اندر جان ہی نہیں ہے اگر میں اپنے پتی کو اس آفت سے چھٹکارا دلانے کا باعث بن سکوں تو اس سے زیادہ میری اور کیا خوش قسمتی ہو گی۔ آپ فرمائیے کہ وہ کس طرح ہو سکتا ہے۔

ٹھاکر۔ (مُسکراتے ہوئے مُنہ بناتے ہوئے اور آنکھوں کو اُوپر نیچے کرتے ہوئے) تم سمجھ تو رہی ہو لیکن میرے مُنہ سے وہ بات کہلوانا چاہتی ہو۔ اچھا تو میں کہہ ہی دیتا ہوں۔ تم آج رات میرے مکان پر آ جاؤ۔ اور رات کو میرے پاس ہی ٹھہرو۔ بولو منظور ہے۔ اگر ایسا کرو تو میں کل صبح ہی تمہارے خاوند کو حوالات سے باہر کر دُوں گا۔

کملا۔ (غصہ سے چہرہ کچھ لال ہو گیا۔ لیکن سنبھل کر کہا) سرکار! افسر تو رعایا کے ماں باپ ہوتے ہیں اور میں آپ کو ماں باپ سمجھ

رہی آپ کی کچہری میں حاضر ہوگئی تھی۔ افسر تو اپنی رعایا کی بہو بیٹیوں کی عصمت کی حفاظت کرتے ہیں۔ آپ نے یہ کیا بات کہدی یا کیا میں اُس کے سمجھنے میں کچھ غلطی کر رہی ہوں۔ شاید آپ کا مطلب کچھ اور رہا ہو۔

ٹھاکر۔ نہیں کملا مطلب تو تم ٹھیک سمجھ گئی ہو۔ یہ درست ہے کہ افسروں کا فرض اپنی رعایا کی حفاظت کرنا ہے لیکن رعایا کا بھی تو فرض ہے کہ وہ اپنے افسروں کی خوشنودی حاصل کرے اور پھر جہاں تم مجھے خوش کروگی وہاں تمہارا اپنا کام بھی بن جائیگا۔

کملا۔ کیا حضور آپ اچھی طرح دوبارہ غور کر کے اپنے الفاظ کو واپس نہیں لے سکتے؟ آپ نے ایک ہندو دیوی کی سخت توہین کی ہے اس لئے آپ کو واجب ہے کہ آپ اپنے فرض کو سمجھ کر اپنے الفاظ کو واپس لیں۔

ٹھاکر۔ کملا! میں نے تمہاری توہین تو کسی طرح بھی نہیں کی بلکہ تمہاری عزت کو بڑھانے کا ارادہ کیا ہے۔ تمہیں علم نہیں کہ ہمارے پاس سینکڑوں عورتیں آنے کو تیار ہیں۔ لیکن تم خوش قسمت ہو کہ جسے ہم خود دعوت دے رہے ہیں۔ اس سے تمہاری اور تمہارے خاندان کی شان بڑھ جائے گی۔ سبھی تمہارا رُعب مانیں گے اور میں تمہیں کئی طرح کے مفاد پہنچانے کی تدابیر سوچوں گا۔ اس میں سب کا بھلا ہے۔ تم میری بات کو مان جاؤ۔

کملا۔ (آنکھیں جوش سے بھر گئیں) حضور! میں پھر ایک دفعہ آپ سے عرض کرتی ہوں کہ آپ اس گندے خیال کو دل سے نکال دیں۔ آپ ٹھاکر ہیں۔ اعلیٰ خاندان سے تعلق رکھتے ہیں۔ اس لئے اپنی خاندانی شرافت اور عہدے کا خیال رکھتے ہوئے اپنی بُری بھاونا کو دل سے خارج کر دیں۔

ٹھاکر۔ تم بڑی گستاخ عورت معلوم دیتی ہو۔ تمہیں ہمارے اختیارات کا علم نہیں۔ کمپنی نے ہمیں پوری اجازت دے رکھی ہے کہ سیاہ و سفید جو کچھ چاہیں کریں۔ تم سمجھ نہیں سکتی۔ کہ تمہاری اس فضول ضد کا کیا خطرناک انجام ہو سکتا ہے۔ میں تمہیں ایک موقعہ سوچنے کا اور دیتا ہوں ورنہ یاد رکھو کہ تم ساری عمر روتے ہوئے کاٹوگی۔ اور تمہیں کوئی ٹھکانا نہیں ملیگا۔

ٹھاکر کی یہ باتیں سُن کر کملا کی آنکھوں میں خون اُتر آیا۔ جسم کانپنے لگا۔ اور کانپتی ہوئی زبان سے کہنے لگی۔ کہ "اے پاپی مجھے وہم و گمان بھی نہیں تھا کہ تمہارے اس انسان کے جامے میں شیطان چھپا ہوا ہے تم نہیں جانتے کہ ایک ہندو دیوی اپنی عصمت کو کسی بھی قیمت پر ضائع کرنے کے لئے تیار نہیں ہو سکتی تم جو چاہو کرو لیکن اس کے بعد اپنے گندے لب کھولنا اور اپنی گندی زبان سے کوئی لفظ نہ نکالنا" یہ کہتے ہوئے کملا نے ٹھاکر دیوی سنگھ کے مُنہ پر تھوک دیا۔ اور کمرہ عدالت سے باہر نکل گئی۔

ٹھاکر دیوی سنگھ حیران و ششدر رہ گیا۔ پہلے تو اُس نے سوچا کہ کملا کو گرفتار کروالوں اور زبردستی اپنے مکان پر لے جاؤں۔ لیکن پھر اُس نے خیال کیا کہ جب مجھے ایسا موقعہ ملتا ہے کہ میں کملا کو اپنے پاس آنے کے لئے مجبور کر سکتا ہوں۔ تو کیوں نہ وہ طریقہ برت لوں۔ چنانچہ ٹھاکر نے اس کے تینوں لڑکوں کو بھی گرفتار کروالیا۔ اور پھر کملا کو آنے کے لئے پیغام بھیجا لیکن اُس نے آنے سے انکار کر دیا۔ اس پر ٹھاکر دیوی سنگھ طیش میں آگیا اور اس کے ایک لڑکے کو قتل کروا کر اُس کا سر کملا کے پاس بھجوا کر کہلا بھیجا کہ تم اب بھی ہوش میں آجاؤ ورنہ باقی لڑکوں اور جگن ناتھ کا بھی یہی حشر ہوگا۔ کملا نے پھر بھی کہا کہ جو کچھ بھی ہو میں اپنی عصمت کو خراب کروانے کے لئے کسی حالت میں بھی تیار نہیں ہو سکتی۔ تب ٹھاکر دیوی سنگھ نے اُس کے دوسرے لڑکے کا سر قلم کروا کے بھجوا دیا لیکن اُس کا بھی کملا پر اثر نہیں ہوا۔ ازاں بعد تیسرے لڑکے کو بھی مروا دیا گیا۔ لیکن کملا پھر بھی ٹس سے مس نہ ہوئی۔ آخرش جگن ناتھ کا بھی سر اُتروا دیا گیا اور کملا کے پاس بھجواتے ہوئے ٹھاکر نے کہلا بھیجا کہ لو اب تمہارا سب کھیل ختم ہے۔ اب تم ساری عمر بیٹھی روتی رہو۔

جب کملا کے پاس آخری سر اپنے پتی کا پہنچا تو اُس نے کہلا بھیجا کہ اب چونکہ میرا کوئی بھی والی وارث نہیں رہا اور اب میں دو سوا بھی ہو گئی ہوں میرے پتی دیو بھی اس دُنیا سے جا چکے ہیں۔ اس لئے اب میں مجبور ہوں کہ تمہارے پاس آؤں لیکن دن میں آتے ہوئے شرم آتی ہے اور کسی غیر کے ساتھ میں آنا بھی نہیں چاہتی۔ اس لئے میں فلاں مندر میں رات کے دس بجے پہنچ جاؤں گی۔ آپ بھی

وہاں آجائیں اور مجھے ساتھ لے چلیں ۔ میں میلے کپڑے ہی پہن کر آؤں گی اور ایک اُجلا جوڑا اپنے ساتھ لاؤں گی ۔ وہاں آپ کے مکان پر ہی غسل کر کے نیا جوڑا پہن کر آپ کی خواہش پوری کروں گی ۔

دیوی سنگھ یہ پیغام سُنتے ہی باغ باغ ہوگیا ۔ اُس نے سوچا کہ ہمارا تیر چل گیا ۔ قاعدہ ہے کہ کامی، کرودھی اور لالچی تینوں قسم کے آدمیوں کی بُدھی پر پردہ پڑ جایا کرتا ہے ۔ وہ حقیقت کو نہیں دیکھ سکتے ۔ وہ کسی اور ہی دُنیا میں اُڑتے ہیں ۔ چنانچہ دیوی سنگھ بھی کام وِکار کے وش میں ہوا خوشی سے پھولا نہ سماتا تھا ۔ دن کی ایک ایک گھڑی سال کے برابر گذر رہی تھی ۔ بار بار گھڑی کی طرف دیکھکر کہتا تھا کہ کیوں اس کی سوئیاں فوراً پونے دس نہیں بجاتیں ۔ تاکہ پندرہ منٹ کے اندر میں مندر میں پہنچکر اپنی محبوبہ کو اپنے ساتھ لاؤں ۔ آخر وقت تو دوڑتا ہی چلا جاتا ہے ۔ مہینے، سال ۔ صدیاں، یگ، کلپ، اسی طرح سے ایک ایک منٹ کر کے گذر گئے ہیں ۔ چنانچہ چند گھنٹے بھی ختم ہوگئے ۔ اور جس گھڑی کی انتظار ٹھاکر دیوی سنگھ اتنے شوق سے کر رہا تھا آپہنچی ۔ خوب اچھی طرح سے سج دھج کر مندر میں پہنچا ۔ اور ایک کونے میں گٹھڑی دبائے کملا کو نیچی نگاہیں کئے ہوئے دیکھا ۔ تیزی سے اُس کے پاس پہنچا ۔ اور بناوٹی لہجہ بنا کر کہا مجھے بڑا افسوس ہے کہ میں نے تمہارے ساتھ بہت ہی ظلم کیا ۔ میں نے تمہارے پتی اور تینوں بچوں کو قتل کروایا ۔ لیکن اس کی ذمہ داری تمہارے سر پر ہے ۔ کیونکہ اگر تم اپنی ضد پر اڑی نہ رہتیں ۔ اور جو بات آج مانی ہے ۔ وہ اُسی دن مان جاتیں تو سانپ بھی مرجاتا اور لاٹھی بھی نہ ٹوٹتی ۔"

جس طرح ٹھاکر دیوی سنگھ نے بناوٹ سے یہ الفاظ کہے تھے اُسی طرح کملا نے بناوٹی مسکراہٹ ہونٹوں پر لاتے ہوئے نگاہ اُونچی کر کے ٹھاکر سے کہا کہ اپنے خاوند کی موجودگی میں کس طرح آپ کی خواہش پوری کر سکتی تھی ۔ جو کچھ آپ نے کیا ہے میں بھی یہی چاہتی تھی ۔ اب میں فارغ ہوگئی ہوں ۔ اور مکمل طور پر آپ کی خدمت کے لئے حاضر ہوں ۔ چلئے اب جہاں لے چلنا ہے لے چلئے ۔ ٹھاکر اپنے ساتھ سواری لایا تھا ۔ اُس پر کملا کو بٹھلا کر گھر کی طرف روانہ ہوگیا ۔ راستہ میں اُس نے کہا کہ تم نے نئے نئے کپڑے اپنے ساتھ لانے کی فضول تکلیف کی ہے ۔ وہاں سب کچھ تمہارا ہی ہے ۔ جتنے نئے جوڑے چاہو پہن سکتی ہو ۔ کملا نے اس کا جواب کچھ نہ دیا ۔ لیکن پھر اُس کی طرف آنکھیں اُٹھا کر خفیف سی مسکراہٹ کر دی ۔

چنانچہ دیوی سنگھ کا مکان آگیا ۔ کملا کو غسلخانہ دکھایا گیا ۔ وہاں اس نے غسل کر کے نیا جوڑا پہنا اور چند منٹ بیٹھ کر اپنے بھگوان کو اور اپنے پیارے پتی کو یاد کیا ۔ تب وہ مسکراتی ہوئی باہر نکل آئی ۔ دیوی سنگھ اُس کی خوبصورتی کو دیکھ کر ششدر رہ گیا ۔ جھٹ اُٹھ کھڑا ہوا اور باہیں اونچی کر کے کملا کو چھاتی سے لگانے کے لئے آگے لپکا ۔ کملا بھی کچھ تیزی سے آگے بڑھی ۔ اور آن کی آن میں ایک کٹار دیوی سنگھ کے سینے میں گھونپ دی ۔ دیوی سنگھ اُسی وقت زمین پر گر کر ٹھنڈا ہوگیا ۔ تب اسی خون آلودہ کٹار کو کملا نے دیوی سنگھ کی چھاتی سے نکال کر چوما اور پھر اپنے سینے میں چلادی ۔ اور خود بھی دیوی سنگھ سے کچھ فاصلہ پر جا گری ۔ اور اپنا امٹ نام اس دُنیا میں چھوڑ گئی ۔

چنانچہ وہاں پر کملا کی ایک مڑھی بنی ہوئی ہے ۔ لوگ وہاں جا کر پھول بتاشے چڑھاتے ہیں ۔ اور ادب سے اُس کی یاد میں سر جھکاتے ہیں ۔ دیوی سنگھ کی مڑھی بھی وہیں پاس ہی بنی ہوئی ہے ۔ جب لوگ کملا کی مڑھی پر ماتھا جھکا کر فارغ ہو جاتے ہیں تو دیوی سنگھ کی مڑھی پر پہنچ کر وہاں گن کر پانچ جوتے لگاتے ہیں ۔ اور جس طرح کملا نے اس دیوی سنگھ کے منہ پر تھوکا تھا ۔ لوگ دیوی سنگھ کی مڑھی پر جوتے لگا کر تھوکتے ہیں ۔

یہ ہے سداچار اور دُراچار کا پھل ۔ یہ ہے ہندو دیویوں کی پوترتا کی ایک مثال ۔ سچ پوچھئے تو بھارت دیش کی رکھشیا تو ہمارے رشی مُنیوں کی تپسیا کر رہی ہے ۔ یا بھارتیہ دیویوں کی پوترتا ۔ لیکن اس پوترتا کو مردلوگ خود ان کو فیشن کی پتلیاں بنا کر اور سینما کے گندے کھیل دکھا کر ختم کر رہے ہیں ۔ اے بھارت والو! سوچو سمجھو اور سنبھلو! (ادم شم)

ہندو ناری دی شان

کرم دھرم دی مورتی ہے ہندو ناری

لیکھک: پنجابی کوی شری بنارسی لال جی ہانڈہ کنشل

ہندو ناری جگ چہ اک اوہ ہے ہستی — جہنوں سدا ائی پتی پریم دی رہندی اے مستی
جہدی پتی نال ای دسدی آساں دی وستی — جہدی انکھ آن آن بلڑی ہیں جگ تے سستی
جو پتی چرناں توں جنم جنم جاوے بلہاری
کرم دھرم دی مورتی ہے ہندو ناری

ایہہ ستی سوامی نام چہ سدا تن من رنگے — ہندی طاقت کوئی ایسدا پرچھاواں لنگے
ایہہ آکے اپنی آئی تے نہ کال توں سنگے — تے اس سپنی دا ڈنگیا نہ پانی منگے
ایہہ آن دی خاطر رکھدی نہیں جان پیاری
کرم دھرم دی مورتی ہے ہندو ناری

جد وی کسے بدکار نے ہتھ ایہنوں پایا — ایہنے ڈنکا اپنی ویرتا دا ترت وجایا
ایہدا کسے مصیبت وچ وی نہیں دل گھبرایا — ایہنے کسے طرح دی اپنا نہیں مان گنوایا
ایہہ چڑھی ویری دی ہک تے لے تیز کٹاری
کرم دھرم دی مورتی ہے ہندو ناری

ایہنے بن کے کتے اہلیا پربھو نام دھیایا — آپ تری جگ تاریا پھل مکتی پایا
کتے بن کے ایہنے بھیلنی سی جوگ کمایا — تے سکلا جیون اپنا پربھو ارپن لایا
ایہنے دین بندھو دے نام دی سی مہک کھلاری
کرم دھرم دی مورتی ہے ہندو ناری

کتے سیتا دے روپ چہ ست دھرم نبھاوے — اوہ راج محل تیاگ کے جنگل اپناوے
کشٹ ہزاراں سہہ کے متھے وٹ نہ پاوے — اپنے ناری دھرم دا اپنی مان ودھاوے
پرکھی گئی اوہ جگ تے سی جنک دلاری
کرم دھرم دی مورتی ہے ہندو ناری

ست یگ وچ ساوتری نے دھرم کمایا — اوہنے ستی دھرم دے تیج دا پرتاپ دکھایا
اوہنے اپنی طاقت نال سی مویا پتی جوایا — لکھیا لیکھ ودھاتا دا سی ترت مٹایا
یم راج بلوان توں ایہہ ستی نہ ہاری
کرم دھرم دی مورتی ہے ہند و ناری

اچی پدوی گارگی نے جگ تے پائی — اوہنے دکھری منی منیشراں توں شان دکھائی
اوہنے راز حقیقی کھول کے اک جوت جگائی — جہدی روشنی جگ دے چوہوں اور پھیلائی
اوہنے پار برہم دی ودیا سی سمجھی ساری
کرم دھرم دی مورتی ہے ہند و ناری

اوہ درگاوتی رجپوتنی جہدی شان اچیری — کی انہدی شوبھا لکھ سکے ایہہ کانی میری
اوہ مول نہ دھڑکی دیکھ کے سر ات انھیری — اوہنے قلعے سی کیتے ویریاں دے خاکدی ڈھیری
اوہ نکلی یدھ وچ ہتھ لے سی تیغ دو دھاری
کرم دھرم دی مورتی ہے ہندو ناری

ہن اگے قصہ پدمنی دا یاد ہے آیا — جہنے انکھ دے بدلے اپنا سر تلی ٹکایا
جو جان تے کھیڈی دھرم نوں پر داغ نہ لایا — تے ظالم جابر خلجیاں دا مان مٹایا
ذرا پڑھ کے دیکھ اوہدی سی گاتھا نیاری
کرم دھرم دی مورتی ہے ہندو ناری

جھانسی عزت آن دی سی رانی جھانسی — جہنے گلے غلامی والڑی نہ پائی پھانسی
جہنے جیوندے جی نہ عدوتوں کروائی ہانسی — ویری ہوئے حیران دیکھ رانی دی نانسی
ایہنے مارے جنگ میدان چہ سن کئی بدکاری
کرم دھرم دی مورتی ہے ہندو ناری

اس ناری دے پرتاپ دا کی حال سناواں — اس دے بھگتی یوگ دی کی میں گاتھا گاواں
اس دے کرم گیان دا کی میں عکس دکھاواں — میں ویرتا دا لی ایہدی کی وار بناواں
آخر مکدی گل ہے اک گل تے ساری
کرم دھرم دی مورتی ہے ہندو ناری

ارجن بھیشم کرن جیہے بلوان اس جائے — شواجی تے پرتاپ سن ایہنے گود کھڈائے
ایہنے کئی حقیقت دھرم توں سن گھول گھمائے — ایہنے کرشن جی بھارت ورش توں کئی لعل لٹائے
ایہہ جمدے بال بناوندی سی شستر دھاری
کرم دھرم دی مورتی ہے ہندو ناری

پشچمی سبھیتا کا پربھاؤ

(از قلم شری جگن ناتھ کھنہ بی اے بی ٹی)

بھارت ورش ہندوؤں کا گھر ہے یہ اُن کی پُنیہ بھومی ہے۔ اُن کے پُوروج یہیں ہوئے وید بھگوان یہیں پرگٹ ہوئے۔ یہیں ویدوں کی تفسیر اور ویاکھیا کے لئے شاستروں کا نرمان ہُوا۔ پُران رچے گئے، سماج کو چلانے کے لئے ورن آشرم کے دھرم نیت (مقرر) کرنے کی اوشکیتا پڑی اور یہیں اُن کی تہذیب اور سبھیتا کا آغاز ہُوا۔ یہیں ہندوؤں نے مختلف موقعوں پر اپنی راجدھانیاں ستھاپت کیں، دھرم اور سبھیتا پھیلائے۔ سمے سمے پر رشیوں نے جاتی کی اُنتی (ترقی) کے لئے اور جنتا میں دھرم کا سنچار کرنے کے لئے گرنتھ لکھے۔ یگیہ کیے۔ گھور تپسیائیں کیں، جن کی مثالیں دُنیا کی تاریخ میں ڈھونڈے سے بھی نہیں ملتیں۔ ہندوؤں کے دھرم گرنتھوں میں جو فلسفہ بھرا ہُوا ہے وہ نہ صرف انہیں سنسار میں رہتے ہوئے اُنت (ترقی یافتہ) ہونے کے سادھن بتاتا ہے (یعنی بالفاظ دیگر دُنیا میں رہکر ہم کس طرح کامیاب زندگی بسر کر سکتے ہیں) بلکہ ہماری آئندہ زندگی یا پرلوک کو بھی سُدھارنے اور اخیر میں مُکت پد کو پراپت کرنے کا بھی وہ ذریعہ ثابت ہوتا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ ہم ان شاستروں کو پڑھکر اگر اُن کے اُپدیش پر عمل کریں تو ہمارا لوک اور پرلوک دونوں ہی سُدھر سکتے ہیں اور ہمیں دُنیا میں رہتے ہوئے اپنا جیون وتیت کرنے میں کوئی کٹھنائی پیش نہیں آتی اور یہی کسی مذہب یا پنتھ کی سب سے بڑی خوبی ہونی چاہیئے۔

ہندو دھرم ایک عالمگیر مذہب ہے

ہندو دھرم کی یہ ایک وشیشتا ہے کہ اس میں انیہ جاتیوں یا دوسرے مذہب والوں یا غیر ہندوؤں سے دویش کی تعلیم نہیں دی جاتی وہ تو پرانی ماتر کی بھلائی چاہتا ہے اور کسی صورت میں کسی سے اس کا بگاڑ نہیں ہو سکتا۔ اس میں تعصب یا پکشپات کا نام ونشان بھی نہیں ہے۔ ہندو راجاؤں نے کسی غیر ہندو پر کبھی سختی نہیں کی۔ ہمیشہ اُن سے رواداری کا سلوک ہوتا رہا۔ اس کی شہادت فاہیان نامی چینی سیاح کی کتاب سے ملتی ہے۔ وہ چندر گپت وکرما دتیہ کے زمانے میں ہندوستان میں آیا تھا اور لکھتا ہے کہ لوگ عموماً بُدھ مت کے پیرو ہیں۔ راجہ ہندو ہے لیکن بے تعصب ہے۔ بودھوں کے تیوہاروں کو سب لوگ بڑے اُلساہ سے مناتے ہیں۔"

لیکن برعکس اس کے مُسلمان بادشاہوں کے وقت میں ہندو جنتا کو اتنی مذہبی آزادی حاصل نہیں تھی۔ اُن کے بے شمار مندروں کو مسمار کیا گیا اور اُن کی تہذیب اور مذہب کو مٹانے کے لئے زبردست کوششیں کی گئیں۔ ہندو راجاؤں کی مذہبی رواداری اور بے تعصبی کے دو کارن پرتیت ہوتے ہیں ایک تو یہ کہ بھارت ورش اُن کا گھر تھا وہ باہر سے نہیں آئے تھے اور ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ سمجھتے تھے کہ باہر سے آنے والے اُنہیں کبھی ہانی (نقصان)

نہیں پہنچا سکتے۔ اُنہیں اپنی طاقت پر پُورن وشواس تھا۔ دوسرے اُن کا دھرم اُنہیں پرانی ماتر سے پریم کرنا سکھاتا ہے شریر کو انیتہ سمجھ کر وہ آتمک اُنتی کی طرف زیادہ دھیان دیا کرتے تھے۔ دھن اور سمپتی رکھتے ہوئے بھی وہ اس کے غلام نہیں بن جاتے تھے بلکہ سماں آنے پر وہ اُسے چھوڑ کر جنگلوں میں تپسیا کے لئے چلے جاتے تھے اُن کا آدرشیہ نہایت اُونچا تھا۔ وہ کیول راج کا سُکھ بھوگنا ہی اپنا کرتویہ نہیں سمجھتے تھے۔ حقیقی سُکھ کے لئے دُنیاوی سُکھوں اور سمپتی پر لات مار دینا اُن کے لئے کوئی کٹھن بات نہیں ہوتی تھی۔ جن کے بچار اتنے اونچے اور بلند ہوں وہ دوسروں سے دویش نہیں کرسکتے۔ اُن کے ہردے میں تو سب کے لئے پریم اور محبت بسا رہتا ہے۔ وہ زمانہ تھا کہ جب نہ صرف راجاؤں کا جیون ہی آدرش جیون ہوتا تھا بلکہ سرو سادھارن پُرش بھی دھرم پر آرُوڈھ ہوتے تھے، ورن آشرم کے دھرموں کا پالن کرتے تھے اور سماج کے اندر وہ بُرائیاں نہیں ہوتی تھیں جو آجکل ان دھرموں سے بے مکھ ہو جانے کے کارن نظر آرہی ہیں اور جن کی وجہ سے ہندو جاتی کا ادھوپتن ہو رہا ہے اور ابھی نا معلوم کیا کچھ ہوگا۔ مہابھارت کے زمانے میں ہندو سماج اُنتی کے شکھر پر پہنچ چکا تھا۔ اُس یُدھ کے بعد سماج کی وہ حالت نہ رہی۔ بڑے بڑے شُور بیر۔ یودھا، مہارتھی لڑائی میں کام آئے اُن کی جگہ پُر کرنی مُشکل ہوگئی اور سماج میں اتنی زبردست کمزوری واقع ہوئی کہ اس سے پنپنا اسمبھو ہوگیا۔ اس کے اثرات اب تک ہندو سماج میں موجود ہیں۔ شری کرشن بھگوان جی نے اس یُدھ کو روکنے کی ہر چند کوشش کی لیکن ان کی کچھ پیش نہ گئی اور پھر پانڈوؤں کو اپنے چچیرے بھائیوں سے لڑنا ہی پڑا۔ لڑائی کے لئے بالکل تیار ہوتے ہوئے بھی یُدھ کھیشتر میں پہنچتے ہی ارجن نے اپنے بھائی بندوں کو دیکھ کر لڑنے کا ارادہ ترک کر دیا۔ لیکن عین وقت پر شری بھگوان نے اُسے گیتا روپی امرت پان کرا کر اُسے اپنا کرتویہ پالن کرنے کے لئے تیار کر لیا۔ اُنہوں نے جو اُپدیش اُس وقت ارجن کو دیا وہ صرف اُس کے لئے ہی مخصوص نہیں تھا بلکہ دراصل پرانی ماتر کے ہت کے لئے ہی کیا گیا تھا۔ کیونکہ وہ جانتے تھے کہ آنے والے زمانے میں لوگوں کو اس گیان کی سخت ضرورت ہوگی اور سنسکرت وِدّیا کے لوپ ہو جانے سے لوگ وید شاستر کی تعلیم سے بے بہرہ رہیں گے۔

اس کے بعد ہندو سماج میں جو کمزوریاں آئیں یہ اُنہی کا نتیجہ تھا کہ بھارت ورش میں بدھ مت پھیلا اور سماج کے نظام میں بڑا بھاری پریورتن آگیا۔ ویدک تعلیم کو سخت دھکا لگا۔ جنتا یگیہ آدی کرموں اور ایشور بھگتی سے بے مکھ ہوگئی۔ ویدک ریتی اور ویدک سبھیتا اور سنسکرتی سے لوگ چیُت ہو گئے (گر گئے) ناستکتا نے گھر کر لیا اور کچھ سمے دیتیت ہو جانے پر بُدھ دھرم کے اندر وہی بُرائیاں پیدا ہو گئیں۔ جن کو دُور کرنے کے لئے مہاتما بُدھ نے نیا مت جاری کیا۔ مہاراجہ اشوک اور کنشک نے اس مت کو فروغ دینے میں کوئی کسر نہ اُٹھا رکھی۔ کنشک نے اپنے مت کو "مہانتا" کہا اور پراچین ہندو مت کے ساتھ ہی اُسے ملا دیا۔ کچھ وقت کے لئے بدھ مت نے خوب ترقی کی اور اس کا پرچار نہ صرف ہندوستان میں ہوا بلکہ ہندوستان کے پڑوس میں واقع کئی مُلکوں میں یہ مت بہت پھیلا۔ لیکن پھر ایسے حالات پیدا ہو گئے کہ جس دیش میں اس مت نے جنم لیا تھا وہیں اس کا خاتمہ ہو گیا۔

شری سوامی شنکر آچاریہ اور کمارل بھٹ جیسے ہندو مت کے پرچارکوں نے ہندو دھرم کو از سر نو زندہ کر دیا اُن کے اُتھان اور اُنتی کے پھر دن آگئے۔ گپتا خاندان کے راجاؤں نے ہندو سنسکرتاؤں، ہندو سبھیتا اور سنسکرتی کو پھر سے سھتاپت کیا۔ اُن کے بعد راجپوت راجاؤں نے بھی ہندو گورو کو قائم رکھا اور غیر مُلکی حملہ آوروں کے اتیاچار سے جاتی کو بچانے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگا دیا۔ پرنتو اُن کے گھر کی پھوٹ نے ہی اُنہیں تباہ و برباد کر دیا اور محض اس

کی بدولت ہی ہندوستان میں مسلمان حملہ آوروں کو کامیابی ہوئی اور راجپوتوں کی اِس کمزوری سے فائدہ اُٹھا کر ہی مسلمانوں نے ہندوستان پر حکمرانی کی۔ اگر راجپوت متحد اور سنگھٹت رہتے تو ان کا مقابلہ شاید ہی کوئی طاقت کر سکتی۔ یہی حال مرہٹوں کا ہوا۔ اُن کی خانہ جنگیوں نے انہیں کمزور کر دیا۔ اگر کبھی وہ اکٹھے بھی ہو گئے تو غیر ملکی بڑھتی ہوئی طاقت نے اُنہیں پھر جُدا کر کے کچلنے کی کوشش کی اور آخیر میں اُن کی طاقت مسلب کر کے ہی چھوڑی۔

غیر ملکی حملہ آوروں کے پے در پے حملوں سے بھارت ورش کی ہنستا پر جو اتیاچار اور مظالم ہوئے اُن کا مفصل طور پر بیان کرنا یہاں ضروری معلوم نہیں دیتا۔ البتہ اُن کے اثرات کا ذکر کرنا اس مضمون کا خاص مقصد ہے۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ جو قوم کسی دوسری قوم پر حکومت کرتی ہے اس کی سب سے پہلی کوشش یہ ہوتی ہے کہ اس کی تہذیب، زبان، روایات، ساہتیہ (علم ادب) وغیرہ کو برباد کر دے اور یہی سب سے بڑی فتح خیال کی جاتی ہے۔ اگر کوئی جاتی صدیوں تک کسی اینیہ یعنی غیر قوم کے ماتحت اور زیر حکومت رہے اور اپنی تہذیب اور زبان اور ادب کو سنبھال رکھے تو سمجھ لینا چاہیئے کہ وہ قوم محکوم نہیں رہی۔ برعکس اس کے اگر کوئی مفتوحہ یا محکوم قوم چند سالوں کے اندر ہی اپنی تہذیب کھو بیٹھے روایات سے ہاتھ دھو بیٹھے تو جان لینا چاہیئے کہ اس کی فتح مکمل طور پر ہو چکی۔ خواہ اس کے بعد اس کو سوراجیہ ہی کیوں نہ مل جائے۔

ہندوستان میں مسلمانوں کی حکومت قائم ہوتے ہی ہندوؤں کی تہذیب کو ملیا میٹ کرنے کی کوششیں شروع ہو گئیں اور وہ صدیوں تک جاری رہیں جب مسلمان حکومت کا خاتمہ ہوا تو انگریزی سامراجیہ نے اس کی جگہ لے لی لیکن انگریزی حکومت میں مذہبی آزادی کے اصول پر ہی کام ہوتا رہا اور صریحاً دوسرے مذاہب میں دخل دینے کی کوشش نہیں کی گئی تاہم عیسائی مذہب کے پرچار کے لئے جو آسانیاں اور رعائتیں بہم پہنچائی گئیں۔ ان کے مقابلے میں دوسرے مذاہب نقصان میں رہے۔ نظام تعلیم اس قسم کا جاری کیا گیا کہ بچوں کو اپنے دھرم کی واقفیت حاصل کرنے کا موقعہ ہی نہیں مل سکتا تھا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ انگریزی پڑھے لکھے نوجوان اپنے دھرم اور مذہبی اصولوں سے بالکل ناواقف ہوتے گئے۔ تعلیم کا مدعا محض حصول ملازمت رہ گیا۔ آہستہ آہستہ ہندوستان کے تعلیم یافتہ فرقہ کے اندر مذہب یا دھارمکتیوں کا خاتمہ ہو گیا۔ ہندو اِس بیماری کا سب سے زیادہ شکار ہوئے۔ اگر شری سوامی دیانندجی مہاراج ایسے زمانے میں یعنی انیسویں صدی کے آخیر میں ویدک دھرم کا پرچار نہ کرتے تو ہندو سماج کا بیشتر حصہ عیسائی بن جاتا۔ ان کی کرپا سے بہت سے تعلیم یافتہ عیسائی دھرم قبول کر لینے سے تو بچ رہے پرنتو ان کے ہردوں میں دھرم اور جاتی کا وہ پریم پیدا نہ ہو سکا جس کی دراصل ضرورت تھی۔ اس پشچمی سبھیتا یعنی مغربی تہذیب کے دور کا جسے دورِ مادیت کہا جاتا، ایک یہ اثر ہوا کہ ہندو جاتی اپنے پراچین اتہاس کی پرمپرا، ساہتیہ کو بھول کر دھرم سے بالکل بے لگ ہو گئی ورن آشرم کے دھرم پالن کرنے چھوڑ دیئے۔ اور دھن پراپتی مکھیہ دھرم بن گیا۔ اس کی پوجا اور آرادھنا ہونے لگی۔ (باقی پھر)

بندہ بیراگی

(کوی لوک ناتھ دل)

بندہ بیراگی کی ہے کتھا نرالی، ویگ نرالا
گر بھگوتی مرگنی کے دودھ سے دنیا بھلائی دین سنبھالا
پھر شانت کی کندرا میں جا کر دھونی رمائی، لے لی مالا
پھر جب دیش پہ سنکٹ چھایا تیغ اٹھائی، پکڑا بھالا
شور ویر چن چن کر اپنی سینا بنالی، ہوش سنبھالا
شترو جہاں ملے شستروں کی پیاس بجھالی، بجھی نہ جوالا
بندہ بیراگی کی ہے کتھا نرالی، ویگ نرالا
اُمڈ گھمنڈ گھنگھور گھٹا کی مانند چھایا، جہاں بھی آیا
ہر ہر مہادیو کا اک جے گھوش بلایا، جہاں بھی آیا
شترو موت کے گھاٹ اتارا جو بھی پایا، جہاں بھی آیا
دھرتی کو یودھوں کے رکت سے لال بنایا، جہاں بھی آیا
روپ پہلے کا وسار لیا، تلوار سنبھالی، بجھے کو ٹالا
بندہ بیراگی کی ہے کتھا نرالی، ویگ نرالا
انت مغلوں نے لوہے کے سنگل ڈالے، پران نکالے
لے کے ہاتھوں میں گرم نکیلے بھالے، پران نکالے
اس کے ننھے پتر کے سو ٹکڑے کر ڈالے، پران نکالے
ٹکڑے مار مار کر دل کے پھوڑے چھالے، پران نکالے
منہ سے ہائے نہ کی تھا ایسا شکتی شالی، ساہس والا
بندہ بیراگی کی ہے کتھا نرالی، ویگ نرالا

مہاتما بیر بیراگی

برہمچاری سے بیراگی - اور - بیراگی سے "کرم یوگی"

(پنڈت بشیشر ناتھ جی)

(۱)

بہادر بندہ بیر بیراگی ایک نہایت ہی غیر معمولی اوصاف کا انسان تھا۔ انسان جن کی زندگی میں ہر طرح کے روحانی جسمانی اور عقلی کمالات کا ایک عجیب و غریب حاکم یا اتصال دیکھنے میں آتا ہے۔ اُن کے جیون کا ہر کمال اور ہر صفت انتہائی درجہ تک پہنچی ہوئی معلوم ہوتی ہے۔ ان کی زندگی میں جہاں رحم، دیا، اور اہنسا کا باب آتا ہے۔ تو وہاں اِن کے یہ اوصاف اس درجہ کمال پر پہنچے ہُوئے دکھائی دیتے ہیں۔ کہ ایک گربھ وتی ہرنی کے اِن کے ہاتھوں شکار ہو کر گربھ سمیت بچوں کے جان بحق ہو جانے کا معمولی سا واقعہ اُن کی زندگی میں ایک عظیم انقلاب لانے کا موجب بنا۔ یعنے اس واقعہ سے ان کا دِل دیا اور اہنسا کے جذبات سے اِتنا متاثر ہُوا۔ کہ انہوں نے دُنیا کو بے ثبات سمجھ کر بیراگ دھارن کر لیا جہاں اِن کے جیون کا کرم یوگ بل پرمارتھ دھرم اور مظلوموں کی رکھشا کا باب کُھلتا ہے۔ تو وہاں بھی ان اوصاف کے انتہائی کمال کا ثبوت ملتا ہے۔ یعنی شری گورو گوبند سنگھ جی نے ان کو جب دیش دھرم اور ہندو سماج کی دُردشا کا قصہ سُنایا ظالموں کے اتیاچار اور مظلوموں کے ہاہاکار کی داستان سُنائی تو اسی وقت ان کے دِل میں ایثار۔ قربانی۔ پرمارتھ اور کرم مارگ میں کٹ مرنے کے اس قدر جذبات بھڑک اُٹھے کہ وہ بیراگی سے سچے کرم یوگی بن گئے۔ اور اپنی زندگی کا ایک ایک لمحہ دھرم، مریادا، مان اور مظلُوموں کے اُدھار کے لئے قربان کر دیا۔

انہوں نے بہادری کی بھی اس قدر بلند مثالیں پیش کیں۔ کہ بے سر و سامانی کی حالت میں بھی زبردست اور اتیاچاری حکمرانوں کو تہ و بالا کر دیا۔ جس طرف بھی وہ لپکتے قیامت بپا ہو جاتی۔ ظلم و ستم کو بیخ و بن سے اُکھاڑ دیتے۔ بڑے بڑے ظالم متمرد و سرکشوں کے سر خاک میں لڑھکتے اور پاؤں کی ٹھوکریں کھاتے دکھائی دیتے اور ان کی اِس بے پناہ ڈنڈ شکنی۔ ظفر مندی اور شجاعت کو دیکھ کر ستم ایجاد دشمن انہیں ملک الموت، مظلوم سجن انہیں کلیگ کے کلکی اوتار اور عوام انہیں جن بھوت کا بادشاہ سمجھتے تھے۔ نشکام کرم بھاونا اور تیاگ کا بھی یہاں تک ثبوت دیا۔ کہ کئی کئی بار بڑے بڑے بھاری علاقوں کو اپنے زورِ بازو سے فتح کیا۔ مگر حکمرانی کے لئے ہمیشہ دوسرے مستحق لوگوں کے سپرد کر کے خود پہاڑوں پر چلے جاتے اور تپ کی زندگی بسر کرتے۔ علاوہ ازیں، استقلال۔ متحمل مزاجی اور قوتِ برداشت کا بھی اس قدر بلند آدرش دُنیا کے سامنے رکھا۔ کہ اس کی مثال نہیں ملتی۔ گو یہ اوصاف بھی تو ان کی زندگی کے ہر لمحہ پر ظاہر ہوتے ہیں۔ مگر ان کا آدرش جو انہوں نے اپنے آخری وقت پر دکھایا۔ بس وہ پرکاشٹھا یعنی انتہائی درجہ تک پہنچا دیا۔ غرضیکہ بندہ بیر بیراگی کے اندر وہ تمام اوصاف

درجہ کمال تک موجود تھے۔ جو ایک سچے کرم یوگی میں ہونے چاہئیں۔ ان کی زندگی ایک آدرش زندگی ہے۔ ایک ایک واقعہ انسان کے اندر زندگی اور اُتساہ کی سپرٹ پیدا کرنے والا ہے۔

یہ مہاپُرش کاتک شکل پکش ۱۶۷۰ء کے ایک مبارک دن کو عالم ارواح سے نکل کر کے اِس دُنیا میں ظہور پذیر ہوئے ان کی ماں ایک نہائیت عفت شعار اور نیک آدرش راجپوت رمنی تھی۔ اور آپ کے باپ کا نام رام دیو تھا۔ بندا بیراگی کا بچپن کا نام لکشمن دیو تھا۔ آپکا جنم ستھان پونچھ کے پہاڑی علاقہ کا ایک گاؤں تھا۔ ان دنوں اورنگ زیب دہلی کے تخت شاہی پر حکمران تھا۔ اس وقت ملک اور رعایا کن حالات سے گذر رہی تھی۔ اس کے یہاں بیان کرنے کی ضرورت نہیں کیونکہ یہ بات کسی سے چھپی نہیں۔ ہاں یہ ضرور بات ہے۔ کہ اُس ظلم و استبداد اور بدامنی کے زمانے کا اثر ننھے لکشمن دیو کے دل پر بھی ہُوا۔ سب سے پہلے جس واقعہ نے اُن کی زندگی میں انقلاب پیدا کیا وہ یہ تھا۔ لکشمن دیو کو راجپوت ہونے کی وجہ سے لڑکپن میں شکار کرنے کا بڑا شوق تھا۔ وہ گھوڑ سواری اور تیر اندازی میں زبردست مہارت رکھتے تھے۔ ایک دن وہ شکار کو نکلے۔ سامنے سے ایک ہرنی چوکڑیاں بھرتی ہُوئی بھاگتی دکھائی دی۔ لکشمن دیو کا تیر کمان سے نکلا اور ہرنی لڑکھڑا کر وہیں کھیت رہی۔ ہرنی کا پیٹ چاک کیا گیا۔ وہ حاملہ تھی۔ پیٹ سے دو بچے نکل آئے۔ جو وہاں تڑپ تڑپ کر جان بحق ہوئے۔

اس دردناک واقعہ کو دیکھ کر لکشمن دیو کے دِل پر بڑا اثر ہُوا۔ ان کے تیر سے ان ننھّے ننھّے جیوؤں کا خاتمہ ہو گیا تھا۔ جنہوں نے ابھی چند دن کے بعد اس دُنیا کی روشنی میں آکر زندگی بسر کرنی تھی۔ لکشمن دیو کو اپنے اس فعل میں بہت سنگدلی اور بے رحمی نظر آئی۔ انہوں نے اس سے پہلے بڑے بڑے جانوروں کا شکار کیا تھا۔ مگر آج ہرنی کے ان معصوم بچوں کے قتل سے بہادر کا دِل ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا۔ ان کے دل میں بعینہٖ ہی وہی بھاؤ پیدا ہُوئے۔ جنہوں نے (شہزادہ) سدھارتھ کو شہزادہ سے جنگلوں میں تپسیا کرنے والا مہاتما بنا دیا تھا۔ بالمیک کو ایک ظالم ڈاکو سے مہرشی بنا دیا تھا لکشمن دیو نے بھی انہیں پُرشوں کے نقش قدم پر چلتے ہوئے مذکورہ واقعہ سے متاثر ہو کر گھر بار چھوڑ دیا۔ جنگلوں میں تپسویوں کی زندگی بسر کرنی شروع کر دی۔ ایک سادھو جانکی جی انہیں مل گئے۔ وہ انہیں قصور لے آئے۔ جہاں لکشمن دیو نے ان سے فقیری بانا لیا۔ لکشمن دیو سے بیراگی مادھو داس بن گئے۔ اور ویراگ پد اختیار کیا۔ عیش و آرام کو چھوڑ کر جنگلوں کی زندگی بسر کرنا آسان کام نہیں۔ ایسی مصیبتیں وہی لوگ جان سکتے ہیں۔ جنہیں خود اس قسم کا تجربہ ہو۔ بندہ بیر بیراگی نے جنگل کی ہر طرح کی مصیبتوں کو خوش آمدید کہا۔ اور کٹھن تپیا کرنے لگے۔

بندہ بیراگی نے ست سنگ کی تلاش میں تمام تیرتھوں کی یاترا کی اور آخر گھور تپ کی غرض سے پنج وٹی کے جنگل میں جا ڈیرا جمایا۔ اس بن میں اچھے اچھے سادھو مہاتماؤں کے درشن ہو جایا کرتے تھے۔ جن کے ساتھ گیان دھیان کی صحبت ہو رہی تھی۔ یہاں ایک سدھ انہیں ملے۔ جن کی سیوا کا پھل اُنہیں یہ مِلا۔ کہ کمالیت کا درجہ حاصل ہو گیا۔ اس وقت بیر بیراگی کی عمر ۲۲ سال کی تھی۔

پنج وٹی سے رُخصت ہو کر بیر بیراگی نے گوداوری ندی کے کنارے ناندیر نامی شہر کے نزدیک ایک جگہ آسن جما دیا۔ آہستہ آہستہ اردگرد کے لوگوں میں ان کی کمالیت کی شہرت پھیلنے لگی۔ دُور دراز سے لوگ جوق در جوق ان کے درشن کے لئے آنے لگے اور ان کے معتقد بننے لگے۔ بیراگی کا رُتبہ دکن میں ایک ولی یا سدھ پرش کا سا ہو گیا۔ لوگ سمجھتے تھے۔ کہ ان کے اندر غیر معمولی الیشوری شکتی ہے۔ بعض کہنے لگے۔ انہوں نے جن بھوت وغیرہ بس میں کر رکھے ہیں۔ اس سے پتہ چلتا ہے۔ کہ واقعی

بیر بیراگی نے تپسیا کے ذریعہ کمال روحانی طاقتوں کا اکتساب کر لیا تھا۔ جو کرامت یا معجزہ دکھاتی ہیں۔

(۲)

اِدھر پنجاب میں مسلمان حکومت کا اتیاچار حد سے زیادہ بڑھ چکا تھا۔ ست گورو گوبند سنگھ کے چاروں لختِ جگر دیش، دھرم اور آزادی کی قربان گاہ پر شہید ہو چکے تھے۔ اس واقعہ کے بعد گورو مہاراج دکن بھارت کی طرف روانہ ہو گئے تھے۔ اُجین میں ان کی دادو پنتھی مت کے گورو نرائن داس سے ملاقات ہوئی۔ وہ رامیشور کی طرف سے یاترا کر کے واپس آرہا تھا۔ گورو مہاراج نے دریافت کیا۔ اُدھر کیا دیکھا؟ نرائن داس نے اور بہت کچھ بتاتے ہوئے یہ بھی کہا کہ ناندیڑ میں ایک بیراگی سادھو ہے۔ جو لاثانی کمال والا ہے۔ عجیب و غریب شکتی اس کے پاس ہے۔ بس وہی شخص دیکھنے کے قابل ہے۔ یہ سُن کر گورو مہاراج کو بیراگی سے ملنے کی خواہش ہو گئی اور گھومتے ہوئے ان کے مٹھ میں جا نکلے۔ دو بیروں کی ملاقات ہوئی۔ ایسے دو بیر جن کے حالات آپس میں نہ ملتے تھے۔ وہ ایک دوسرے سے ناآشنا تھے۔ لیکن ان کی آتماؤں میں وہ بیرتا کا بھاؤ تھا جس نے دونوں دلوں کو ملا دیا۔ گورو گوبند سنگھ جی عظیم الشان قربانیاں کر چکے تھے اور بیر بیراگی نے اس قسم کی قربانیاں ابھی کرنی تھیں۔ گذشتہ زمانہ میں ایک اپنی کرم یوگتا، ایثار اور قربانی کا لاثانی سکہ رواں کر چکا تھا۔ اور مستقبل میں دوسرا اپنے تیج، تپسیا، بلیدان اور غیر معمولی شجاعت کی دھاک بٹھانے والا تھا۔ اِن دونوں مہاپُرشوں۔ مہابیروں اور کرم یوگیوں کی ملاقات اپنے اندر ایک عظیم انقلاب کا دانہ لئے ہوئے تھی۔ اس ملاقات میں الوکک بھاؤ کام کر رہے تھے۔ یا ایک جادو کھیل رہا تھا۔ ایشور جانے کیا تھا کہ بیراگی نے اپنی ماتری بھومی کے حالات سُنے۔ اس کی تباہی کا لرزہ خیز قصہ معلوم کیا۔ اُن کا جگر پاش پاش ہو گیا۔ اور یہ دوسرا موقعہ تھا۔ جبکہ بیر بیراگی کے جیون میں مہان پریورتن پیدا ہوا۔ حاملہ ہرنی کے شکار پر اس کے ننھے ننھے بچوں کی تڑپ اور موت نے شکاری اور بہادر راجپوت کو بیراگی بنا دیا تھا۔ دُنیا سے تعلقات منقطع کر کے۔ دوست و اقربا کے رشتہ کو توڑ کر انہیں جنگلوں میں بھٹکنے پر مجبور کر دیا تھا۔ آج ایک سچے بیر کرم یوگی کی ملاقات نے ان کے دل میں بیراگ کی جگہ پر کرم بیرتا کی روح پھونک دی ایک تارک الدنیا کی رگ رگ میں کشاتر دھرم کی سپرٹ ڈال دی۔ ٹھیک اسی طرح جس طرح تیر کمان چھوڑ کر کرم سے ہٹتے ہوئے ارجن کو کرشن بھگوان نے گیتا کا اُپدیش دے کر سچے کشاتر دھرم اور کرم یوگ کا مارگ بتایا۔ گورو گوبند سنگھ جی نے بھی ظلم و جبر کی خونچکاں داستان سُنا کر، دیش کے مظلوموں دبے کسوں کی زار حالی۔ دھرم اور مریادا کی بگلانی کا نقشہ کھینچکر بیر بیراگی کے اندر بیر رس کا سنچار کر دیا۔ اس سادھو بیراگی کو ایک بار پھر ہتھیار بند کشتری بنا دیا۔

گورو گوبند سنگھ جی سے بیر بیراگی نے ان کے اُپدیش پالن کا برت لے لیا۔ انہوں نے بیراگ کو تیاگ کر کرم مارگ میں قدم رکھا۔ مادرِ وطن کی کشش بیر بیراگی کو پنجاب کھینچ کر لے آئی۔ آتے آتے تنظیم کا کام بھی ساتھ شروع کر دیا۔ بہت سے سکھوں کو ساتھ ملا لیا۔ ان کی ادبھت شکتی اور تیج کو دیکھ کر بہت سے سکھ ان کے چیلے بن گئے ساون سمت ۱۷۶۶ بکرمی میں بیر بیراگی کنڈا پہنچے۔ دہلی سے کرسلا۔ نگر دتہ ہوتے ہوئے اڑانہ پر حملہ کیا۔ تھانا بہت ... انہوں نے مالوہ کے سکھوں کے نام پروانے لکھ بھیجے۔ ان کی شہرت اس سے پہلے ہی سب جگہ پہنچ چکی تھی۔ کثیر التعداد سکھ ان کے پاس جمع ہونے شروع ہو گئے۔ ایک دھاوے سے بھوانی میں سرکاری خزانہ ہاتھ آیا۔ وہ سب ساتھیوں میں بانٹ دیا۔

اس طرح بیر بیراگی نے اپنی سرگرمیوں کو [illegible] جوش و خروش سے [illegible] شروع کر دیا۔ ظلم و جبر [illegible] سے ...

دینے کا تہیہ دل میں کر لیا۔ سب سے پہلے جنگ کا شری گنیش آتیمہ نواب سرہند سے ہُوا۔ گورو گوبند سنگھ جی کے چلے جانے کے بعد کئی سکھوں نے سرہند کے نواب کے ہاں سپاہی ملازمت اختیار کر لی تھی۔

نواب نے بیر بیراگی کا حال سُنا اور بڑے گھمنڈ میں آکر سکھ سپاہیوں کے سامنے گورو کی شان میں توہین کے کلمات کہنے لگا۔ اس حقارت اور ہتک آمیز رویہ کو سکھ برداشت نہ کر سکے اور ملازمت چھوڑ کر بیر بیراگی سے آملے۔ بیر بیراگی کے اندر بجلی کی طاقت تھی۔ جونہی انہوں نے تھوڑی سی فوج جمع کر لی۔ اسی وقت سامانہ کے قصبہ میں چڑھائی کر دی۔ تین دن تک شہر کی اینٹ سے اینٹ بجتی رہی۔ ظالم لوگ جنگلوں میں بھاگ گئے۔ جو کباب کھاتے تھے اب جھاڑیوں کے بیر کھانے لگے۔ بے کسوں کا خون چوس کر مخملی گدیلوں پر عیش سے بسر کرنے والے اب پتھروں پر جسم رگڑتے ہوئے رات بسر کرتے تھے۔ اس قصبہ پر بیر بیراگی کی کیوں قہر نظر ہوئی؟ اس میں بھی ایک راز تھا۔ درحقیقت یہ قصبہ ظالموں کا ایک بھاری گڑھ تھا۔ علی حسین جس نے گورو گوبند سنگھ کے ساتھ دھوکا کر کے آنند پور چھڑوایا تھا اسی قصبہ کا رہنے والا تھا۔ اسی شخص نے گورو کے بچوں کے بارہ میں صوبہ سرہند سے کہا تھا۔ کہ سانپوں کے بچے سانپ ہوتے ہیں۔ گورو تیغ بہادر کا قاتل جلال الدین بھی اسی قصبہ کا ہی تھا۔ یہی وجہ تھی کہ سب سے پہلے اس ظلم گڑھ کی اینٹ سے اینٹ بجائی گئی۔

اس کے بعد بیر بیراگی اپنی فوج لے کر انبالہ۔ سیف آباد۔ سنورا۔ دالمہ اور کیتھل وغیرہ مقامات کو سر کرتے ہوئے مقام کنج پور پر آ مسلط ہوئے۔ اسی دوران میں نواب کی فوج سے آمنا سامنا ہُوا۔ اس پہلی لڑائی میں بیر بیراگی کے تیروں کی مار سے نواب کی فوج بھاگ نکلی۔ اور بے شمار جنگی سامان ان کے ہاتھ لگا۔ اسی طرح بیر بیراگی نے ظالموں کے علاقہ میں ایک قیامت برپا کر دی گاؤں کے گاؤں اُن سے خالی کرائے۔ ان کا نام سُن کر بزدل بھاگ جاتے۔ قصبہ سادھورہ کے ہندو باشندے سردار عثمان خان کی بدچلنی سے نالاں تھے۔ اُسے کسی کی بہو بیٹی کا لحاظ نہ تھا۔ مندر مسمار کر دیئے گئے تھے۔ اس کی شکایت جب بیر بیراگی کے پاس آئی تو انہوں نے اس ظالم کو بھی تہ تیغ کر دیا۔ اسی طرح وہ چُن چُن کر ظالموں کو مارنے لگے۔ اس کے بعد مخلص گڑھ کے قلعہ پر قبضہ کیا گیا۔ اس کا نام لوہ گڑھ رکھ دیا۔ اور اس میں بہت گولہ بارود جمع کیا۔ بیر بیراگی کی دھاک بیٹھ گئی۔ ہندوؤں نے سمجھا کہ ان کو بچانے کے لئے ایشور کی دُشٹ شکتی نے اوتار دھارن کر لیا ہے۔ بیراگی دھرم کا ناش اور دھرم کی سہائتا کے لئے آیا ہے۔ ہندو نوجوان دُور دُور سے آکر خوشی خوشی ان کی فوج میں بھرتی ہونے لگے۔ پہاڑوں میں چھپے ہوئے سکھ نکلے۔ اور قیامت اُٹھاتے ہوئے بیر بیراگی کے لشکر میں آملے۔

مظلوموں کا سچا مددگار، قربانی کا مجسمہ اور غیر معمولی طاقتوں کا مالک بیر بیراگی دیش اور دھرم کے اُدھار کیلئے آیا ہے۔ یہ شہرت تمام علاقے میں پھیل گئی تھی۔ اس لئے مظلوم دبے کس ان کے پاس آ آکر اپنے دُکھڑے سُنایا کرتے تھے جنہیں سُن کر بیر بیراگی کا دل پھٹ جاتا تھا۔ اور غصہ کے مارے آنکھوں سے چنگاریاں نکلنے لگتی تھیں۔ وہ اُسی دم اپنا تیر و کمان لے کر مظلوموں کی رکشا کے لئے میدان کارزار گرم کر دیتے تھے اور ظالموں کو ایسی سزائیں دیتے تھے کہ ان کا نام سُن کر ہی دیگر ستم شعاروں کی روح فنا ہونے لگتی تھی۔ ایک دن ایک قصبہ چھت بنور یا بلوڑ کے براہمن اکٹھے ہو کر آئے۔ اور فریاد کی۔ اے بیر کشتریوں کے سرتاج! تمہاری جے ہو۔ ظالم ہمیں رہنے نہیں دیتے۔ ہماری بہو بیٹیوں کی عزت پر حملے ہوتے ہیں گئو ماتا کی ہتیا ہوتی ہے۔ اور اس کا خون ہمارے کنوؤں میں ڈال دیا جاتا ہے۔ اس لئے ہم آپ کی شرن میں آئے ہیں۔ دھرم کی رکشا کیجئے۔

فریاد سُن کر بیر بیراگی کے تیور بدل گئے۔ آنکھیں لال انگارہ ہو گئیں۔ انہوں نے اپنے سپاہیوں کو حکم دیا کہ ایسے ظالم کو فوراً سزا دو۔ اس مہم کے سر ہونے کے بعد بلوڑ کے مقام پر ہی بیر بیراگی نے پہلی دفعہ سرداروں میں فرائض کی تقسیم کی۔ فتح سنگھ فوج کا سپہ سالار بنایا گیا۔ باج سنگھ سارے خزانے کا افسر بنا۔ بنود سنگھ اور کاہن سنگھ کو مُلکی حاکم مقرر کیا۔

ماجھے کے سکھوں کو بیراگی کی امداد سے روکنے کے لئے سرہند کے صُوبہ نے اپنی فوج بھیجی۔ مگر روپڑ کے مقام پر اس کو شکست ہوئی۔ اتنے میں کشمیری رسالہ کی کمک آپہنچی۔ لڑائی میں فوجدار خضر خاں مارا گیا۔ اور فوج کو پسپا ہونا پڑا۔

آخر ۱۷۶۵ء کے دن صوبہ دار نے زبردست تیاری کے ساتھ جنگ شروع کی۔ بیر بیراگی کب غافل تھے انہوں نے بھی غضب کی تیاری کر رکھی تھی۔ اس لڑائی میں دونوں طرف سے فوجیں جان توڑ کر لڑیں۔ مگر صوبہ دار کی توپیں اس قدر مار کر رہی تھیں۔ کہ بیر بیراگی کی فوج گھبرا اُٹھی۔ اس اثنا میں بیر بیراگی فوج کو چیرتے ہوئے آگے بڑھے۔ بجلی کی طرح چمکے اور برسات کی طرح تیر برسانے لگے۔ ان تیروں میں اتنی طاقت تھی۔ کہ وہ توپ کے گولوں کا مقابلہ کرتے تھے۔ توپیں چلانے والے لقمۂ اجل ہوئے۔ اس طرح بیر بیراگی للکارتے ہوئے صوبیدار وزیر خاں کے سامنے آپہنچے۔ ان کی گرج سُن کر صوبیدار بھاگا۔ مگر اُنہوں نے تعاقب کر کے گرفتار کر لیا۔ اور اُسے قتل کر دیا۔ اس کے بعد سرہند کا نظام بیر بیراگی نے اپنے آدمیوں کے ہاتھ سپرد کیا۔ سرہند سے چل کر راہوں کو فتح کیا۔ پائل کے ظالم حاکم خان محمد کو تیر کا نشانہ بنایا۔ مالیر کوٹلہ پر چڑھائی کردی۔ رئیس گل محمد جان بچا کر بھاگ گیا۔ اس کے بعد رائے کوٹ اور جگراؤں پر تسلط کیا۔ پھر ملواڑہ، تلونڈی، ہوتے ہوئے لدھیانہ آ ڈیرہ کیا۔

بعد ازاں بیر بیراگی نے دوآبہ کا رُخ کیا۔ مسلمان حاکم اُن کا نام سُن کر ہی بھاگ گئے۔ کوئی کوئی معافی مانگ لیتا تھا۔ پھگواڑہ کا رئیس چوہڑمل اور جالندھر کا نواب نذرانہ لے کر آملے۔ اور اطاعت قبول کرلی۔ ہوشیارپور، پھٹی، اچھپال، الگوں، کھیم کرن، چوڑیاں سب مطیع ہو گئے۔ بیر بیراگی نے سب جگہ ڈھنڈورا پھیر کر اعلان کر دیا۔ اب ہندو راج ہو گیا ہے۔ کوئی دہلی کی سلطنت کو لگان نہ دے۔ اتنا وسیع علاقہ فتح کر لینے کے بعد بیر بیراگی نے اُسے اپنے سرداروں میں تقسیم کر دیا۔ اور خود بیراگی کے بیراگی ہی رہے۔ ایک بجواڑہ کے نواب شمس خان نے مزاحمت کی اُسے بھی شکست فاش دی اور وہ جان بچا کر بھاگ گیا۔ اس ایک فتح سے دریائے جمنا اور ستلج کا درمیانی علاقہ بیر بیراگی کے پاؤں تلے ہو گیا۔ انہوں نے یہ علاقہ سکھ سرداروں کو بخش دیا۔ کرنال، پانی پت بنود سنگھ کو دے دیا۔ باج سنگھ سرحد کا صوبہ دار بنا۔ فتح سنگھ فوج لے کر علاقہ سر کرنے لگا۔ دہلی اور لاہور کا راستہ بالکل بند کر دیا۔ کرنال سے تلونڈی۔ حصار۔ ہانسی، تراوڑی، کیتھل، جیند، سرسہ۔ فیروزپور۔ قصور۔ چونیاں۔ جالندھر دوآبہ ماجھہ۔ پٹھانکوٹ کا نگڑہ تک کا علاقہ سب اُن کے ہاتھ آگیا۔

بیر بیراگی نے پہاڑی ہندو راجاؤں کو اپنے ساتھ ملانے کی کوشش کی۔ مگر ان لوگوں پر خاطر خواہ اثر نہ ہوا۔ شاید یہ صدیوں کی غلامی کا نتیجہ تھا۔ بیر بیراگی نے جب ان راجاؤں میں سے چند ایک پر چڑھائی کی تو فوراً دوسرے نے بھی ان کی اطاعت قبول کر لی۔ ۱۷۶۷ء میں منڈی کا راجہ سدھ سین بھی ان کا مرید بن گیا۔ اس وقت بیر بیراگی کو کچھ چین معلوم ہوا۔ اور انہوں نے شادی بھی کی۔ شادی کر لینے میں گو انہوں نے کوئی غلطی نہیں کی۔ اور نہ ہی وہ شادی کر لینے کے بعد اپنے اُدیش سے غافل اور دشئے آسکت ہوئے۔ مگر دشمنوں کو اِن کے خلاف اندولن کرنے یا الزام تراشنے کا ضرور حربہ مل گیا۔ یعنی انہوں نے مشہور کر دیا کہ بیر بیراگی نے گورو مہاراج کے حکم کے خلاف اپنی شادی کر لی ہے۔ بیر بیراگی کے ایک لڑکا بھی پیدا ہوا۔ جو ان کے ساتھ ہی شہید کر دیا گیا تھا۔ بیر بیراگی مفتوح علاقہ

سرداروں کو بانٹ کر اکثر پہاڑوں پر چلے جایا کرتے تھے۔ مگر ان کے پہاڑوں پر چلے جانے سے مسلمان پھر زور پکڑ جاتے تھے۔ اور اکثر ان کے مفتوح علاقہ پر پھر قابض ہو جاتے تھے۔ لیکن جب وہ واپس لوٹتے تھے۔ تو پھر فوراً تمام علاقہ پر تصرف حاصل کر کے اپنے سرداروں کے سپرد کر دیتے تھے۔ انہیں خود کبھی حکمرانی کا لالچ نہیں ہوا تھا۔ وہ فقیرانہ زندگی بسر کرنا ہی اچھا سمجھتے تھے۔ فقط دھرم، مان، مریادا اور مظلوموں کی رکشا کے لئے ہی وہ تلوار اٹھاتے تھے ورنہ ان کی دنیاوی کام میں ہمیشہ نوستی سی رہتی تھی۔ وہ سچے کرم یوگی تھے۔

ادھر اورنگ زیب کا دم نکلتے ہی دہلی میں خانہ جنگی شروع ہو گئی۔ آخر بہادر شاہ نے حکومت اپنے ہاتھ میں لے لی۔ بندہ بیر بیراگی نے دہلی کے نزدیک کرنال اور پانی پت فتح کر لئے۔ دہلی کو خطرہ لاحق ہو گیا۔ سہارن پور، جلال آباد کے علاقہ اور گنگا کے کنارے کا بہت سا علاقہ بھی تصرف میں لے لیا گیا۔ اس طرح بیر بیراگی جدھر بھی آندھی کی مانند جاتے۔ ان کے مقابلہ کی کوئی بھی تاب نہ لا سکتا۔ اور انہیں فتح نصیب ہوتی۔ بہادر شاہ کے پاس اُن کی شکایات متواتر پہنچا کرتی تھیں مگر اس کو بیر بیراگی سے مقابلہ کرنے کی ہمت نہ پڑتی تھی۔ لاچار جب اُسے زیادہ خدشہ نظر آیا تو اس نے اصغر خان، سند خان، اسد اللہ خان اور نور خان وغیرہ سپہ سالاروں کو ایک جرار فوج دے کر روانہ کیا۔ بیر بیراگی اس وقت پہاڑ چلے گئے ہوئے تھے۔ سرکاری فوجوں نے تراوڑی پر قبضہ کیا۔ سرسوتی ندی کے کنارے سکھوں کو شکست ہوئی۔ انہوں نے لوہ گڑھ قلعہ میں پناہ لی۔ اتنے میں بہادر بیر بیراگی بھی آ پہنچے۔ انہوں نے شاہی فوجوں کا مقابلہ شروع کر دیا۔ مگر شاہی فوج کئی گنا زیادہ ہونے کی وجہ سے فتح مند ہو رہی تھی۔ مجبوراً بیر بیراگی کو لڑائی سے گریز کرنا پڑا۔ مگر دشمنوں کے لاکھ کوشش کرنے پر بھی ان کے پیچھے نہ چڑھ سکے۔

(۴)

سنہ ۱۷۱۲ء میں بہادر شاہ رحلت کر گیا۔ بندہ بیر بیراگی نے پھر اپنا گھوڑا پھیرنا شروع کر دیا، جگہ بہ جگہ فوج تیار کی جانے لگی۔ تھوڑے سے ہی عرصہ میں اپنا کھویا ہوا علاقہ از سر نو فتح کر کے ہر دوا تک تسلط جما دیا۔ حسب عادت علاقہ سرداروں کے حوالے کر کے پہاڑ کو چلے گئے۔ ان کا غیر حاضر ہونا تھا کہ پھر مسلمان فوجوں نے زور پکڑ لیا۔ سکھ بھاگنے لگے۔ جب پھر بیر بیراگی آ گئے۔ تو سکھوں کے جان میں جان آ گئی۔ بار بار ایسے واقعات رونما ہونے سے پتہ چلتا ہے۔ کہ فتح کا دار و مدار واحد بیر بیراگی کی ہستی پر تھا۔ گویا اس سے ان کی کرم بیرتا اور شجاعت کی بے نظیر مثال ملتی ہے۔ اگر وہ بیراگ کے بہاؤں کو یکسر چھوڑ کر جم کر ایک حکمران کی طرح مفتوح علاقہ کا نظام اپنے ہاتھ میں لیتے تو وہ ضرور کامیاب حکمران بن جاتے مگر وہ دنیاوی باتوں میں اس قدر گہرا تعلق رکھ نہ سکے۔ ان کا دل زیادہ تر بیراگ پر ہی مائل رہا۔

بہادر شاہ کے بعد فرخ سیر تخت شاہی پر بیٹھا۔ اس کے پاس بھی مسلمان حاکموں کی طرف سے بندہ بیر بیراگی کی شکایات پہنچنے لگیں۔ اس نے حکمت عملی سے کام لیا۔ دہلی میں مدت سے گورو گوبند سنگھ جی مہاراج کی دو بیویاں ماتا سندری اور صاحب دیوی جی رہتی تھیں۔ بادشاہ نے ہندو وزیر رام دیال کو ماتا سندری کے پاس تحائف دے کر بھیجا۔ اور کہلا بھیجا۔ کہ ہمارا خاندان بھی گورو کا سیوک ہے۔ اس بھولی بھالی ماتا کو اپنی سیوکی کا یقین دلا کر انہیں بیر بیراگی کو گورو مہاراج سے بے مکھ کہہ کر۔۔۔ اسے بدظن کر دیا۔ اور پھر انہیں ماتاؤں سے تمام سکھوں کو لکھوا بھیجا۔ کہ بندہ بیر بیراگی کا کوئی سکھ ساتھ نہ دے۔ کیونکہ وہ گورو مہاراج کا سکھ نہیں بلکہ بے مکھ ہے۔ فرخ سیر کی یہ بھید نیتی کارگر ہوئی۔ اور آہستہ آہستہ سکھ بیر بیراگی سے الگ ہو گئے۔ تت خالصہ ظاہر طور پر ان کے مخالف ہو گئے۔

بیر بیراگی نے اپنے ... طرف ... اور اپنی مہا تکریانہ سپرٹ پیدا کر دی۔ بہت سے ہندو نوجوان ان کے ساتھ

ہو گئے۔ کچھ سکھ بھی تھے۔ تاہم پھوٹ سے ان کی طاقت بہت کمزور ہو گئی۔ بادشاہ نے یہ موقعہ غنیمت جان کر بیر بیراگی پر حملہ کیا۔ تت خالصہ کے علیحدہ ہو جانے پر بھی بیر بیراگی نے نو آموز سپاہ کے ذریعہ بھی شاہی فوج کے پاؤں اکھاڑ دیئے بادشاہ ان کی شجاعت اور جنگی قابلیت پر حیران رہ گیا۔ آخر بادشاہ نے پھر وزیروں سے مشورہ کیا۔ اور اندرونی طور پر اُسے اِس بات پر یقین ہو گیا کہ بیر بیراگی کی طاقت درحقیقت اب کمزور ہو چکی ہے۔ تاہم ان کی طاقت تب ہی تباہ کی جاسکتی ہے۔ اگر تت خالصہ کو اپنے ساتھ لے لیا جائے۔ کیونکہ سانپ سے سانپ لڑانا مناسب ہے۔ اس خیال سے بادشاہ نے تت خالصہ سے کچھ شرائط اور مراعات کا سبز باغ دکھا کر اپنے ساتھ ملا لیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ بیر بیراگی جب گورداسپور سے لاہور کی طرف بڑھا۔ تو اس کے مقابلہ پر اسلم خان صوبیدار لاہور کی جو فوج مقابلہ پر آئی۔ اِس میں وہی تت خالصہ بھی کثیر التعداد میں شامل تھے۔ مسلمان فوج سے ساتھ تو بیر بیراگی کی فوج خوب جوش کے ساتھ لڑی اور اس کے پاؤں اکھاڑ دیئے۔ مگر جب صوبیدار نے سکھ فوج آگے کر دی تو اس کا دل ٹوٹ گیا۔ جن لوگوں کے ساتھ مل کر انہوں نے کئی سال تک اتنی لڑائیوں میں تلوار چلائی تھی۔ اب اِن پر وار کرنا بیر بیراگی کی فوج کا دل برداشت نہ کر سکا نتیجہ لازمی تھا۔ کہ بیر بیراگی کی فوج کو پسپا ہونا پڑا اور گورداسپور آگئی۔ اس پہلی شکست کے بعد بیر بیراگی نے تت خالصہ کو سمجھانے کی کوشش کی مگر بار آور نہ ہو سکی۔ آخر انہوں نے اعلان کر دیا۔ کہ میں اکیلا ہی جب تک جسم میں جان ہے۔ دھرمیوں کے خلاف لڑوں گا۔ آخر سمت ۱۷۷۶ میں بادشاہ نے عبدالصمد خان کو تیس ہزار جرار لشکر دے کر دہلی سے بیر بیراگی کے مقابلہ کے لئے روانہ کیا۔ عبدالصمد خان نے اپنے چند وکیل بھیجکر بیر بیراگی کو اس طرح رام کرنے کی کوشش کی کہ وہ ان کا مرید بننا چاہتا ہے۔ آج یہ پہلی بار تھی۔ کہ بیر بیراگی دشمن کے چکمے میں آگئے۔ نتیجہ یہ ہوا۔ کہ شاہی فوجیں بے روک ٹوک آگے بڑھ آئیں۔ آخر بیر بیراگی اپنے قلعہ کے اندر گھر گئے۔ اور شاہی فوج کے محاصرہ کی وجہ سے رسد کی آمد و رفت کا سلسلہ منقطع ہو گیا۔

بس قلعہ کے اندر وہ شیر بندہ بیر بیراگی اور اس کے ساتھی بھوکوں مرنے لگے۔ بیر بیراگی بھی فاقہ کشی کی وجہ سے سوکھ کر کانٹا سا ہو گیا۔ مگر چہرے پر وہی بشاشت اور دل میں وہی حوصلہ تھا۔ شاہی فوج آئی۔ اب بیر بیراگی میں ہتھیار اُٹھانے کی بھی سکت نہ تھی۔ مجبوراً گرفتار ہونا پڑا۔ ان کو قید کر کے دہلی دربار میں لایا گیا۔ ان کے ساتھ ان کے ۷۴۰ ساتھی تھے جنہوں نے مرتے دم تک ساتھ دیا۔ یہ جہان بیر سچا تیاگی۔ مرد میدان اور کرم یوگی لوہے کے پنجرے میں بند کیا ہوا دہلی میں لایا گیا۔ تو ان کے سامنے یہ شرط رکھی گئی۔ کہ یا تو مسلمان ہو جاؤ۔ یا مرنے کے لئے تیار رہو۔ بیر بیراگی اور اُن کے دیگر ہمراہی بھلا کب ماننے والے تھے۔ آخر بادشاہ کی طرف سے ان کے قتل کا حکم صادر ہوا۔ سات دِن تک تو اِن کے ساتھی قتل ہوتے رہے۔ آٹھویں دِن بیر بیراگی کی باری آئی۔

بادشاہ نے پوچھا۔ تم کو کیسی موت مارا جائے؟ بیر بیراگی نے جواب دیا۔ جیسی تمہاری مرضی ہو مار دو۔ میرے لئے سب موت ایک سی ہیں۔ میں تو اس جسم کو ہی دکھ کا موجب سمجھتا ہوں۔" بیر بیراگی کے اردگرد نیزوں کی قطاریں کھڑی کی گئیں۔ جن پر ان کے ساتھیوں کے سر ٹنگے تھے۔ اِن کا چھوٹا معصوم بچہ ان کی رانوں پر رکھا گیا۔ بادشاہ نے چھرا دیکر انہیں حکم دیا۔ کہ اپنے ہاتھ سے اپنے بچہ کو ذبح کرو۔"

اُف کتنا خوفناک منظر اور دردناک سوال تھا۔ زندگی کا اِس سے زیادہ کیا امتحان ہو سکتا ہے۔ یہ بیر بیراگی ہی تھے جن کا دل ایسے موقعہ پر دہلت و کمزور نہیں ہوا ورنہ کوئی دوسرا شخص ہوتا تو فوراً بادشاہ کی شرائط قبول کر کے زندگی بخشوا لیتا اور باقی ماندہ چین کی زندگی بسر کرتا۔ مگر یہی تو کرم یوگی کا امتحان تھا۔ اسمیں وہ فیل ہو جاتے تو آج اِن کا نام کون لیتا

بہادر بیر بیراگی نے بادشاہ کا حکم ماننے سے صاف اِنکار کر دیا۔ بس پھر کیا تھا۔ جلاد نے اُن کے بچے کو قتل کیا۔ اور اس کا ننھا سا کلیجہ نکال کر خون سے بھرا ہوا بیر بیراگی کی چھاتی پر دے مارا۔ آہ! اس دلخراش حادثہ کو بھی انہوں نے خندہ پیشانی سے برداشت کیا پھر جلادوں نے ان کو لوہے کی گرم سلاخوں سے مارنا شروع کیا۔ جسم کا چمڑا پرزے پرزے ہوکر اُڑنے لگا۔ ظالموں نے گرم زنبوروں اور چمٹوں سے کھینچ کھینچ کر ان کے جسم کے لوتھڑے باہر نکال لیے یہاں تک کہ جسم کی ہڈیاں دکھائی دینے لگیں۔ مگر آخری دم بیر بیراگی کے دل میں یہ فخر تھا۔ کہ انہوں نے ظلم کے درخت کی جڑوں کو اکھیڑ دیا ہے۔ یہ درخت کبھی تروتازہ نہ ہو سکا۔ انہوں نے اپنا کرتویہ کا پالن کیا ہے۔ وہ ضرور اپنا رنگ لائے گا۔ اِن کے چہرے پر بجلئے ملال کے خوشی رقص کر رہی تھی۔

جب اِن کی بوٹیاں نکل رہی تھیں تو وہ شانتی پوروک بیٹھے ہوئے تھے۔ نجیب الدولہ نے اِن سے پوچھا کیا وجہ ہے۔ کہ اتنی اذیتیں ملنے پر بھی تم خوش معلوم ہوتے ہو؟ بیر بیراگی نے جواب دیا۔ جو آتما کو جانتا ہے۔ وہ جانتا ہے کہ آتما اِن سب دُکھوں سے پرے ہے۔ اور کرم یوگی کو کرتویہ ہیتھ میں کٹ کٹ کر مرنے میں لُطف حاصل ہوتا ہے۔

اِتنی اذیتیں دینے کے بعد اِس بے نیظر کرم یوگی کو ہاتھیوں سے روندوا کر شہید کر دیا گیا۔ بیر بیراگی آج شریر کے ساتھ جہان میں نہیں ہیں۔ مگر ان کا نام امر ہے۔ لوگ اِن کو پوجتے ہیں اور جب تک یہ جہان قائم ہے ان کا نام مہر و انجم کی طرح چمکتا رہے گا۔ اور قومی غداروں کا سر ہمیشہ ہی ندامت سے جھکا رہے گا۔

گیتا اُپدیش

از جناب لالہ نند کشور جی آخر بی اے ایل ایل۔ بی فیروزپور

رات دِن شام سحر جب تک ہے قائم زندگی — فرض کی تکمیل میں انسان نہ گھبرائے کبھی

یہ نہ لائے فکر دِل میں اسکا کیا انجام ہے — فرض ادا کرتا رہے انسان کا اتنا کام ہے

راہِ حق میں ہر قدم پر ہمتِ مردانہ ہو — لاکھ طوفانِ الم اٹھیں کوئی پروا نہ ہو!

جسم فانی ہے تو کیا غم، رُوح مر سکتی نہیں — ہرگز اس کو کوئی طاقت قتل کر سکتی نہیں

موت ہی ہے درحقیقت کاشفِ اسرارِ زیست — موت کا ڈر ہے عبث یہ ہے مآلِ کارِ زیست

کارزارِ دہر میں غافل نہ ہونا چاہیئے
آئے کچھ آفت شکستہ دل نہ ہونا چاہیئے

مزدور سنگٹھن اور ڈسپلن

(از قلم شری برہمانند نندہ بی۔اے)

سرمایہ دار کے وسایل نہایت وسیع ہوتے ہیں اور اپنی روزی کی خاطر مزدور اُس کا محتاج ہوتا ہے۔ جن ممالک میں روزگار آسانی سے نہ مل سکتا ہو۔ وہاں مزدوری کی شرائط مکمل طور پر سرمایہ دار کے حق میں جاتی ہیں اور اپنی محنت کے بدلے میں مزدور کو بمشکل تمام زندہ رہنے کے لئے کھانا اور تن ڈھانپنے کے لئے موٹا کپڑا دستیاب ہوتا ہے۔ لیکن انسان کی ضروریات سماجک ترقی کے مطابق بڑھتی چلی جاتی ہیں اور ان متعدد ضروریات کو پورا کرنے کے لئے مزدور اپنے مالک سے مزدوری بڑھائے جانے کی توقع رکھتا ہے۔ ترقی یافتہ ملکوں کی تواریخ شاہد ہے کہ مزدور کی اس جائز توقع کو کبھی سرمایہ دار نے ہمیشہ حقارت کی نگاہ سے دیکھا اور منافع کی موٹی رقوم کو اپنے ذاتی مفاد کیلئے جمع کرنے میں مصروف رہا۔ حکمرانوں کی عیاشی اور مذہبی پیشواؤں کی زرپرستی ہر ملک اور ہر دور میں سرمایہ داروں کے آڑے آتی رہیں اور ان تینوں کی ملی بھگت کے سبب محنت کش طبقہ غلامی اور افلاس کی زندگی بسر کرنے پر مجبور رہا۔ دولت کی ہوس نے انسان سے انسان پر کیا کیا ظلم نہیں کروائے۔ طاقتور قوموں نے کمزوروں کو بزور شمشیر اپنا مطیع بنایا۔ ان فتوحات سے بادشاہوں کی حکومت وسیع ہوئی۔ تبلیغ سے مذہبی پیشواؤں کے پیروکار بڑھے اور سرمایہ داروں کی تجارت کو فروغ حاصل ہوا۔ لیکن مجموعی طور پر دُنیا کے سبھی ملکوں کا مزدور مفلس اور نادار ہی رہا۔

تواریخ کو مزدور اور سرمایہ دار کے زاویہ نگاہ سے پڑھنا کہاں تک سود مند ثابت ہوسکتا ہے۔ یہ مسئلہ فی زمانہ سیاسیات میں شامل ہے۔ لیکن اس میں چنداں شک نہیں کہ کمیونسٹوں کی اس وچار دھارا نے تمام ملکوں کے مزدور طبقہ پر اپنا اثر کیا ہے۔ چونکہ یہ آزادی اور جمہوریت کا دور ہے۔ اس لئے آج کا سیاست دان کل کے حکمران کی طرح سرمایہ دار سے ساتھ مل کر مزدور کے خلاف طاقت کا مظاہرہ نہیں کرسکتا۔ بلکہ حالات نے دونوں کو مجبور کر دیا ہے کہ وہ مزدور کی جائز مانگوں کو سُنیں اور بحالت مجبوری پورا بھی کریں۔ اس میں شک نہیں کہ سبھی آزاد ممالک میں مزدوروں کے حقوق کی حفاظت کے نام پر کئی طرح کے قانون پاس کئے جاچکے ہیں اور مزدور سنگٹھن اُن قوانین کا پورا پورا فائدہ بھی اُٹھا رہے ہیں۔ اکثر ہڑتالیں کامیاب رہتی ہیں اور حکومتیں عموماً مزدور کی طرف جھکتی ہیں۔ جن اداروں میں مزدور سنگٹھن بہت مضبوط ہیں وہاں سرمایہ دار قانون اور ہڑتال کے ڈر سے اپنے آپ کو بے بس اور مجبور محسوس کرتے ہیں

بھارت نے آزادی کے تھوڑے ہی عرصہ میں مختلف شعبوں میں جو ترقی کی ہے اُس میں مزدور سنگٹھنوں کا کتنا ہاتھ ہے؟ آزاد ملک کے نوجوانوں سے یہ سوال بجا طور پر کیا جاسکتا ہے۔ ان

پندرہ سالوں میں ہمارے مزدور نیتاؤں نے ہزاروں لاکھوں بھاشن دیئے ہوں گے۔ اتنی ہی کانفرنسوں جلسوں۔ جلوسوں اور ہڑتالوں کا بھی اہتمام ہوا ہوگا جن میں ان گنت ریزولیوشن پاس کئے گئے ہوں گے۔ لیکن سب کا لبِ لباب یہی رہا ہوگا کہ آزاد ملک کا مزدور اب جاگ اٹھا ہے۔ اب اس کی اپنی حکومت ہے۔ اس لئے سرمایہ دار اس کی اصل طاقت کا غلط اندازہ کرنے کی حماقت نہ کرے۔ اگر مزدور کو اس کا حق سیدھے ہاتھوں نہ دیا گیا تو وہ اپنی طاقت کے استعمال سے بھی گریز نہیں کرے گا۔ سرمایہ دار کو اب معلوم ہو جانا چاہیئے کہ دنیا کے مزدور ایک ہیں جو ان سے ٹکرائے گا چور چور ہو جائے گا۔" اپنی طاقت کا مظاہرہ کرنے اور اپنی مانگیں منوانے میں جس قابلیت کا ثبوت ہمارے نیتاؤں نے دیا ہے وہ قابل ستائش ہے۔ لیکن ایک سوال ہے۔ جس کا جواب ترقی یافتہ ممالک کے مزدور لیڈر دے چکے ہیں۔ اور ہمارے لیڈروں کو بھی جلد یا بدیر دینا ہی ہوگا۔

سوال یہ ہے کہ مزدور کا حق کیا ہے؟ جب تک اس سوال کا صحیح جواب نہیں دیا جاتا ہم ترقی کی جانب قدم نہیں بڑھا سکتے۔ کیا مزدور کا یہ حق ہے کہ وہ مزدوری تو آٹھ گھنٹوں کی محنت کے لئے وصول کرے لیکن اصل کام صرف دو یا تین گھنٹے ہی کرے؟ کون نہیں جانتا کہ ہمارے دیش میں پوری مزدوری وصول کرنے کے باوجود بھی بیشتر مزدور تسلی بخش کام کر کے نہیں دیتے اگر ان سے پوچھا جائے کہ بھائی تم اچھا اور زیادہ کام کرنے کی صلاحیت رکھتے ہوئے بھی کیوں نہیں کرتے تو جواب ملے گا "اجی صاحب دام ہی کیا ملتے ہیں۔ اتنے سے کہیں گذر بسر ہوتی ہے۔ اصل منافع تو مالک ہڑپ کر جاتا ہے"! نتیجہ یہ ہے کہ آپ سرکاری دفتر میں جایئے یا کسی پرائیویٹ ادارے میں۔ سبھی جگہ افسر یہی شکایت کریں گے کہ ماتحت طبقہ (Subordinate staff) کام نہیں کرتا۔ اسی لئے جو کام دنوں میں ہو سکتا ہے وہ ہفتوں کیا مہینوں میں پورا نہیں ہو پاتا۔ چنانچہ اس کام سے متعلق سبھی لوگ مصیبت اٹھاتے ہیں اور قوم کے مختلف شعبوں میں ہونے والی اس طرح کی دیری کتنی پریشان کن ہے یہ ہر ایک مزدور۔ لیڈر اور سیاست دان بخوبی جانتے ہیں۔ تو سوال یہ ہے کہ کیا یہ بھی مزدور کا حق ہے کہ وہ اجرت لے کر بھی خاطر خواہ کام نہ کرے؟

جیب جی صاحب مترجم ... ۱۹۶۲ ... قیمت ایک روپیہ

دہلی میں شاہدرہ
سنٹرل بنک آف انڈیا لمیٹڈ

کی ایک نئی برانچ بدھوار مورخہ ۹ مئی سنہ ۱۹۶۲ء کو کھولی گئی اور اس موقعہ پر ایک شاندار تقریب کا اہتمام کیا گیا جس میں زیادہ از تین صد مہمانوں نے شرکت کی جن میں علاقہ کے معزز ترین کارخانہ دار نیز بیوپاری لوگ شامل تھے۔ شری بی این۔ پوری سنٹرل نارورن گروپ آفیسر سنٹرل بنک آف انڈیا نے حاضرین کا شکریہ ادا کرتے ہوئے شری بھگوان سہائے جی چیف کمشنر دہلی سے التجا کی کہ وہ نئے دفتر کا رسم افتتاح سر انجام دیں نیز اپنی نیک صلاح سے سرفراز فرما دیں۔

شری پوری صاحب نے اپنی زوردار تقریر میں سنٹرل بنک آف انڈیا کی پچاس سالہ ترقی پر روشنی ڈالتے ہوئے کہا کہ سنٹرل بنک نے دیش کے بڑے بنکوں میں اپنی اونچی پوزیشن شروع سے اب تک متواتر بنائے رکھی ہے۔ اور دیش اُدیوگ کا سہیوگ تھا وشواش اسے پراپت ہے۔ اُن کے بھاشن کی کچھ خاص باتیں حسب ذیل ہیں۔

(۱) شاہدرہ برانچ کھل جانے سے دہلی میں اب سنٹرل بنک کی اٹھارہ برانچیں کام کر رہی ہیں اور جلدی ہی دہلی میں کچھ مزید برانچیں کھولنے کا پروگرام ہے۔

(۲) سنٹرل بنک کی ستھاپنا۔ ترقی اور پھیلاؤ کا موجب دیش کا سودیشی آندولن ہی رہا ہے۔ بنک کے ڈائرکٹروں میں شروع سے ہی ایسے دیش بھگتوں نے ستھان پایا ہے۔ جو صنعتی اور کاروباری طبقہ کے لیڈر رہے ہیں۔

(۳) سنہ ۱۹۱۱ء میں بنک کی ستھاپنا ہوئی اور سنہ ۱۹۶۱ء میں بنک نے اپنی گولڈن جوبلی خوب دھوم دھام سے منائی۔

(۴) 31.12.61 کو سنٹرل بنک آف انڈیا کے ڈیپازٹ ۲۲۰ کروڑ سے اوپر تھے جبکہ بھارت کے سبھی شیڈولڈ بنکوں کے مجموعی ڈیپازٹ صرف ۲۰۰۰ کروڑ تھے۔

(۵) بنک کا موجودہ پیڈ اپ کیپٹل ۱/۴ ۱۰ ۳ کروڑ ہے اور اب یہ پرستاؤ ہے کہ اسے بڑھا کر چار کروڑ ۲۷ لاکھ پچاس ہزار کر دیا جائے اور آتھورائزڈ کیپٹل کو دس کروڑ تک بڑھا دیا جائے۔ موجودہ ریزرو چار کروڑ ۴۱ لاکھ ہیں۔

(۶) دیش کے ہر حصہ میں پھیلی ہوئی بنک کی 340 برانچیں ہیں نیز غیر ممالک میں بھی اپنی برانچیں یا نمائندے موجود ہیں۔

شری بھگوان سہائے جی چیف کمشنر دہلی نے شاہدرہ میں سنٹرل بنک کی برانچ کھلنے پر خوشی کا اظہار کیا اور کہا کہ سنٹرل بنک کی ترقی کا راز اسے چلانے والوں کی نیک نیتی اور ایمانداری میں مضمر ہے۔ دہلی کی صنعتی ترقی اور پھیلاؤ کا ذکر کرتے ہوئے انہوں نے منصوبہ بندی پر خاص زور دیا۔ اس لحاظ سے منتظمان بنک سے بھی انہوں نے سفارش کی کہ وہ پہلے سے ہی سوچ بچار کریں کہ آئندہ چند برسوں میں کس کس جگہ نئی برانچیں کھولنی ہوں گی اور زمین وغیرہ کی خرید بابت سرکار کو آگاہ کر دیں۔ تاکہ دہلی کے ماسٹر پلین کے ماتحت خاطر خواہ سہولیات میسر کی جا سکیں۔ ملک کی ترقی میں بنکوں کا کتنا بڑا ہاتھ رہتا ہے۔ اس بات کو واضح کرتے ہوئے شری بھگوان سہائے جی نے کہا کہ دراصل بنکوں کی ترقی ملک کی ترقی کا آئینہ دار ہوتی ہے۔ آخر میں سنٹرل بنک کی مزید ترقی کی شبھ کامنا پرکٹ کرتے ہوئے انہوں نے شاہدرہ برانچ کی رسم افتتاح سر انجام دی۔

Monthly 'OM' Delhi.

Vol. 29 JUNE 1962 Regd. No. D. 84

Food Value

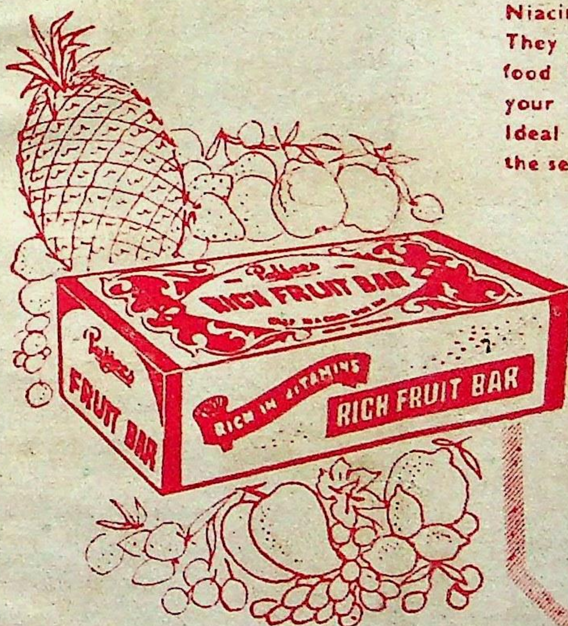
ADDED IN

Paljee's

RICH FRUIT CAKE



Paljee's Fruit Bars contain 11 nourishing and delicious fruits and other ingredients rich in Vitamin A 1, B2, Niacin and Iron. They are an ideal food for you and your family. An Ideal treat in all the seasons.



Air Tight Packing
Rs. 2.25
Loose Packing
Rs. 1.75
Kishmish Packing
Rs. 1.50
Plain Packing
Rs. 1.25

PALJEE & CO., NEW DELHI-5

Title Printed at Kanwal Art Press Ajmeri Gate, Delhi